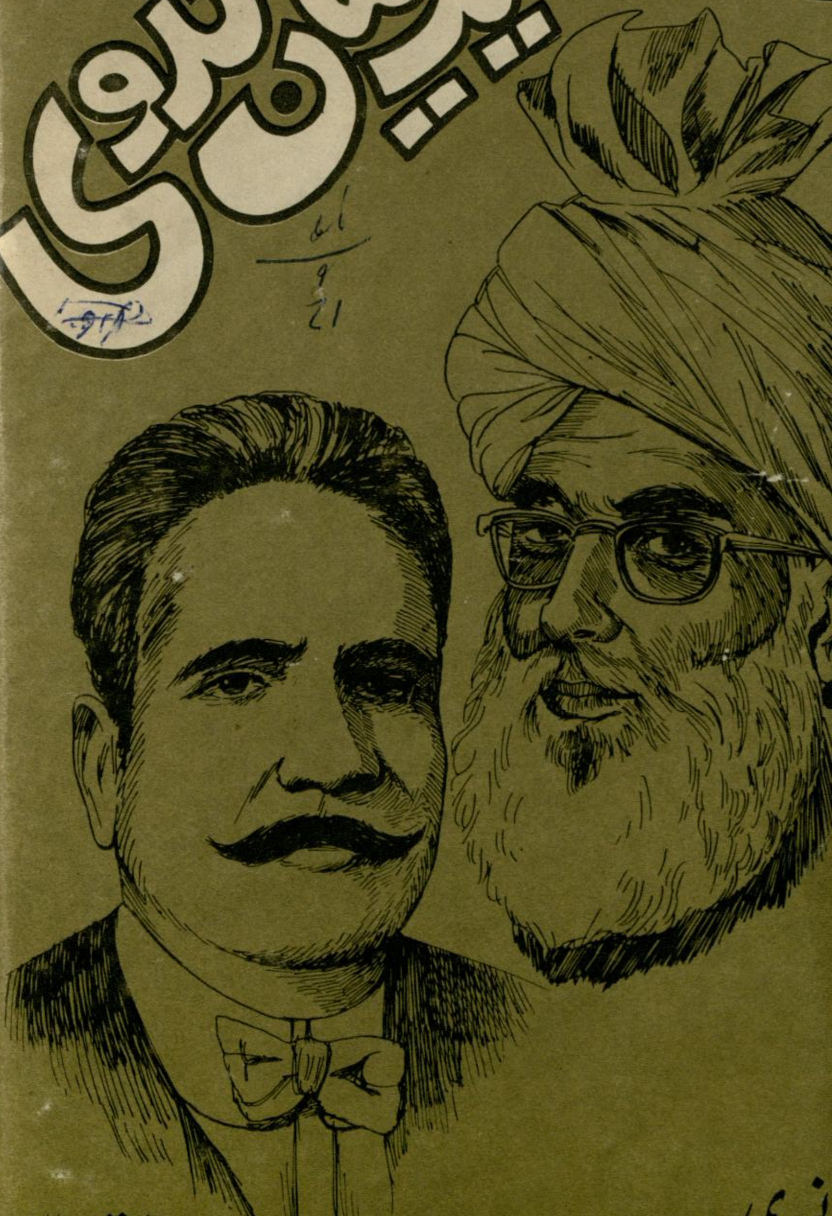
ال اور سید سلیمان ندوی



نوی

مکتبہ عالیہ

اقبال اور سید سلیمان ندوی کے تعلقات خط و کتابت کے علاوہ افغانستان کے سفر کے حوالے سے عام طور پر معلوم ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے اقبال اور سید سلیمان کے بارے میں ایک کتابچہ بھی شائع کیا۔ لیکن یہ موضوع تفصیلی جائزے کا محتاج تھا۔ طاہر تونسوی نے اس سلسلے میں جملہ حوالوں کو یک جا کر دیا ہے اور اب علامہ اقبال کی فکر کے اس پہلو پر تنقیدی رائے قائم کرنے کا موقع آگیا ہے اور فقہِ اسلامی کی تدوینِ جدید سے اقبال کی دلچسپی کا تفصیلی جائزہ اب زیادہ تیقن کے ساتھ ممکن ہوگا۔ فاضل مرتب نے اپنے مقدمے میں ان مسائل کی طرف اشارے کر دیئے ہیں۔ کتاب کا متن، خط و کتابت اور سفر نامے کے علاوہ سیّد سلیمان ندوی کی جملہ تصانیف میں سے اقبال کے بارے میں اقتباسات اور اقبال پر سید سلیمان ندوی کے مضامین، شذرات اور تنقیدوں وغیرہ پر محیط ہے۔ اس وسیلے سے فکرِ اقبال کا ایک اہم گوشہ منور ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

~~2/6~~
~~1~~

135
1

اقبال ا
علاوہ اف
ڈاکٹر عب
ایک کتا
محتاج تق
حوالوں ک
اس پہلو
فقہ اسلا
اب زیاد
مقدمے
کتاب کا مت
سلیمان ند
میں اقتباس
شذرات
فکرِ اقبال ک

اقبال اور سیّد سلیمان ندوی

ترتیب و تالیف

طاہر تونسوی

مکتبہ عالیہ ۔ لاہور

اشاعتِ اول
سالِ اقبال ۱۹۷۷ء

اقبال اور سید سلیمان ندوی

ترتیب و تالیف : طاہر تونسوی
ناشر : الطاف حسین
سرورق : بشیر آرٹسٹ
کتابت : امتیاز احمد
مطبوعہ : ندرت پریس لاہور

قیمت

یکے از مطبوعات
مکتبۂ عالیہ — ایبک روڈ (انارکلی) — لاہور

اپنے مرحوم دوست

رفیق خاور جسکانی

کے نام

جن سے میں نے بہت کچھ سیکھا

ترتیب

پیش لفظ

میں حضرت علامہ اقبال سے ملاقات کا شرف حاصل کر سکا اور نہ ہی سید سلیمان ندوی کی زیارت مجھے نصیب ہوئی۔ البتہ اِن دونوں شخصیتوں کے علمی و ادبی مرتبے سے بساط بھر آگاہی رکھنے کی وجہ سے عقیدت ضرور ہے۔ یہ اسی عقیدت کا ثمرہ ہے کہ میں نے اقبال اور سید سلیمان ندوی پر یہ سارا مواد اکٹھا اور یکجا کر دیا ہے۔

اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطا اللہ کی ورق گردانی کرتے ہوئے یہ احساس ہوتا ہے کہ آخر سید سلیمان ندوی میں ایسی کون سی بات تھی جس کی بنا پر حضرت علامہ نے اُنہیں ستر خطوط لکھے اور جن میں اُن کی علمی و ادبی شخصیت، منصب اور مرتبے کا نہ صرف اعتراف کیا بلکہ ان سے کسبِ فیض بھی کیا۔

کاش وہ تمام خطوط بھی مل جاتے جو سید سلیمان ندوی نے حضرت علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں لکھے تھے۔ اور جنہیں اُنہوں نے بڑی حفاظت سے رکھا تھا۔ اس بات کا اظہار اُنہوں نے اپنے ۷/اپریل ۱۹۲۷ء کے خط میں خود کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں۔ اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا"۔

مگر افسوس، وہ خطوط مجھے کسی طرح بھی دستیاب نہیں ہو سکے اس سلسلے میں میں نے ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب سے اپنے مشفق اور محترم بزرگ پروفیسر میرزا محمد منور صاحب کی معرفت رابطہ قائم کیا۔ مگر اُنہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"میرے پاس مولانا سید سلیمان ندوی صاحب کے مکتوبات بنام حضرت علامہ موجود نہیں۔ آپ کو کیسے خیال آیا کہ ایسے مکتوبات میرے پاس ہیں۔ کیا یہ کسی کتابی صورت میں ہیں۔ میں تو ان کے متعلق آپ سے پہلی بار سُن رہا ہوں"۔ لے

اگر یہ خطوط مل جاتے تو سالِ اقبال میں ایک اہم اضافہ تصور کئے جاتے۔ اس کتاب "اقبال اور سید سلیمان ندوی" میں اب صرف حضرت علامہ اقبال کے خطوط شامل ہیں جو معارف میں بھی شائع ہوئے اور جو اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ میں بھی شامل ہیں۔ میں نے انہیں سنہ وار ترتیب دے دیا ہے۔

اس کے بعد سید سلیمان ندوی کی اُن تمام تحریروں کو موضوع وار یک جا کر دیا گیا ہے جو حضرت علامہ اقبال کے بارے میں اُن کے قلم سے نکلیں۔ اِس ضمن میں شذرات، تبصرے و انتقاد۔ سیرِ افغانستان کے وہ اقتباسات جن میں اقبال کا ذکر ہے۔ شامل کئے گئے ہیں۔

سید سلیمان ندوی کا مضمون "ڈاکٹر اقبال کا علمِ کلام" بھی اس میں شامل ہے جو مقالات یومِ اقبال مرتبہ الطاف حسین شوکت میں شامل تھا۔ مگر اس پر سید سلیمان ندوی و عبد السلام ندوی لکھا ہوا ہے۔ مقالات کا یہ مجموعہ پہلے یومِ اقبال منعقدہ ۹ رجنوری ۱۹۳۸ء

لے ڈاکٹر جاوید اقبال بنام میرزا محمد منور بتاریخ ۱۶؍اگست ۱۹۷۷ء

میں پڑھے گئے مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ تقریب اقبال کی زندگی میں ہوئی جس میں بوجہ علالت حضرت علامہ اقبال شریک نہ ہو سکے تھے اس تقریب میں سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی میں سے بھی کوئی شریک نہیں تھا۔ میں نے اس سلسلے میں متعدد دانشوروں سے رابطہ قائم کیا اور اُن اصحاب سے بھی گفتگو کی جو اس تقریب میں شریک تھے۔ ان میں مولانا حامد علی خان، جناب حفیظ جالندھری۔ جناب غلام احمد پرویز شامل ہیں مگر کوئی صاحب بھی مجھے خاطر خواہ جواب نہ دے سکے۔ کتاب کے مرتب الطاف حسین شوکت صاحب کے بارے میں جناب پرویز صاحب سے علم ہُوا کہ وہ لاہور میں ہیں مگر مجھے اُن کا پتہ نہ مل سکا۔ بہر حال میں نے اِس مضمون کو سید سلیمان ندوی کے کھاتے میں ڈال دیا ہے۔ ڈاکٹر محمد معز الدین صاحب نے بھی اپنے مقالے اقبال اور سید سلیمان ندوی میں ایسا ہی کیا ہے۔ میری وضاحت پر وہ اس سلسلے میں کچھ نہ بتا سکے۔ معارف اکتوبر ۱۹۳۹ء میں اس کتاب پر جو تبصرہ شائع ہوا ہے اُس میں سید سلیمان ندوی اور عبدالسلام ندوی کے نام الگ الگ تحریر کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ سید سلیمان ندوی ندوہ میں علم کلام کے اُستاد رہے ہیں۔ اور اس حوالے سے علمِ کلام سے اُن کا گہرا رابطہ رہا۔ اس حساب سے بھی یہ مضمون سید سلیمان ندوی کا ہی لگتا ہے۔ اور پھر عبدالسلام ندوی کے مضامین میں مجھے یہ مضمون نظر نہیں آیا۔ چنانچہ میں نے اسے سید سلیمان ندوی کی تحریر سمجھتے ہوئے اس میں شامل کر دیا ہے۔ اِسے میری کم علمی بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ آخر میں ضمیمہ لگایا گیا ہے۔ جس میں سید سلیمان ندوی کی حیات کا خاکہ دیا گیا ہے اور معارف میں اقبال پر اُن مضامین کا اشاریہ بھی ہے جو سید سلیمان ندوی کی ادارت میں شائع ہوئے۔

"اقبال اور سید سلیمان ندوی" میں میں نے یہ کوشش کی ہے کہ یہ بکھرا ہوا مواد یک جا ہو جائے تاکہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کے لیے آسانی ہو۔ ان دونوں شخصیات کی تحریروں کا تجزیاتی مطالعہ بھی میں نے مقدمے میں پیش کر دیا ہے۔ اس تالیف کے سلسلے میں مجھے بہت سے احباب نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا میں اُن کا شکر گزار ہوں۔ اِس سلسلے میں خاص طور پر میں

پروفیسر میرزا محمد منور۔ پروفیسر سلیم اختر اور برادرم رفیع الدین ہاشمی کا ممنون ہوں کہ انہوں نے میری ہر طرح رہنمائی کی۔ میں مکتبہ عالیہ کے مہتمم برادرم جمیل النبی کا بھی احسان مند ہوں کہ انہوں نے نہ صرف مجھے اس کام پر آمادہ کیا بلکہ ہر روز اس کے بارے میں استفسار کرتے رہے جس کی بدولت میں نے یہ کام ختم کیا ورنہ شاید میں اپنی اس حقیر کوشش کا نذرانہ حضرتِ اقبال کے حضور پیش نہ کر پاتا۔ میں محترم مولانا صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ اقبال کانگرس کی مصروفیات کے باوجود انہوں نے بڑی محبت سے میری کوشش کے بارے میں تقریظ تحریر فرمائی جو میرے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔ مولانا صاحب نہ صرف سید سلیمان ندوی صاحب کے شاگرد ہیں بلکہ آج کل دار المصنفین اعظم گڑھ کے مہتمم اور ان کے جانشین بھی ہیں۔ میں اس کرم نوازی کے لیے اُن کا شکر گزار ہوں۔

شعبۂ اُردو
گورنمنٹ کالج لاہور

طاہر تونسوی
۷ر دسمبر ۱۹۷۷ء

تقریظ

سید صباح الدین عبدالرحمٰن (ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ)

میں جب علامہ محمد اقبال کی انٹرنیشنل کانگریس کے موقع پر لاہور آیا تو جناب طاہر تونسوی صاحب بڑی محبت سے آکر مجھے میرے کمرے میں ملے، جب ان سے یہ معلوم ہوا کہ انھوں نے اقبال اور سید سلیمان ندوی کے عنوان سے ایک کتاب مرتب کی ہے تو اُن سے بڑا قلبی لگاؤ ہوگیا۔ یہ میرا خاص موضوع ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی میرے استاد ہیں، ان ہی کا پروردہ ہوں۔ میں نے جو کچھ تھوڑا بہت حاصل کیا ہے، سراسر ان ہی کا فیض ہے۔ میں دارالمصنفین کی خدمت گذشتہ چوالیس سال سے کر رہا ہوں۔ اور اس وقت اس کے تمام کاموں کا بار میرے ہی دوش ناتواں پر ہے۔ مجھے دارالمصنفین میں رہنے کے لیے وہی مکان ملا ہے جس میں حضرت سید صاحب نے اپنے قیام ندوہ کے دوران زندگی گذاری، اس لیے وہ میرے ذہن پر ہر لمحہ چھائے رہتے ہیں۔ وہ برابر چلتے پھرتے، باتیں کرتے اور اپنی میز پر بیٹھے لکھتے ہوئے اور ہم لوگوں کی تربیت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کی

زبانی ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ کے متعلق جو کچھ سنا، اس کے بعد میرے دو ہیرو ہو گئے، ایک خود علامہ سید سلیمان ندوی اور دوسرے علامہ محمد اقبال۔

حضرت سید صاحب کی زبانی برابر سنتا رہا کہ صدیوں کے بعد علامہ محمد اقبال جیسا عظیم مفکر اسلام میں پیدا نہیں ہوا اور شاید صدیوں بعد تک ایسا مفکر پیدا نہ ہو۔ سید صاحب کا یہ خیال برابر ذہن پر چھایا رہا، اقبال کا ہر ترانہ بانگ درا، ان کی جان حزیں کی ہر آواز زبور عجم، ان کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق، اس کے شعر کا ہر پر پرواز بال جبریل اور انکی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ ہے۔

میں نے اپنے دونوں ہیروں کے باہمی تعلقات پر ایک مضمون "معارف" میں لکھا تھا۔ خیال تھا کہ اقبال صدی کے موقع پر اس کو اور پھیلا کر ایک کتاب بنا دوں، لیکن جو کام مجھ کو کرنا چاہیے تھا وہ جناب طاہر تونسوی نے انجام دے کر گویا میرے منھ سے میرا لقمہ چھین لیا۔ لیکن مجھ کو انتہائی مسرت ہے کہ انھوں نے یہ کام انجام دے کر میرے حق سے تو مجھ کو ضرور محروم کر دیا ہے لیکن ایک مفید اور اہم کام انجام دے کر ایک بڑی خدمت کر دی ہے، جس کے لیے نہ صرف میں بلکہ دار المصنفین بھی ان کا بے حد ممنون ہے۔ کتاب کی ترتیب سے بڑی خوش سلیقگی، محبت اور ریاضت کا اظہار ہے۔ دیباچہ اور ان کے مضمون 'اقبال اور سید سلیمان ندوی' میں ان کے لکھنے کا انداز بھی بہت اچھا ہے۔ اگر وہ لکھتے رہے تو امید ہے کہ نہ صرف پاکستان بلکہ برصغیر میں بھی ان کو اچھا مقام حاصل ہو جائے گا۔

برصغیر میں علامہ سید سلیمان ندوی اور ڈاکٹر اقبال اپنے زمانہ کے کاروانِ ملت کے بڑے زبردست حدی خواں رہے، اس لیے امید ہے کہ طاہر تونسوی کی یہ کتاب برصغیر میں بڑے ذوق و شوق سے پڑھی جائیگی اور انھوں نے اس کی ترتیب میں جو محنت کی ہے اس کے لیے قارئین کے دلوں سے ان کے حق میں دعائے خیر نکلے گی۔ عرصہ سے اس کی تلاش ہے کہ حضرت سید صاحب نے علامہ محمد اقبال کو جو خطوط لکھے، وہ کہیں مل جائیں، لیکن ابھی تک کامیابی نہ ہو سکی، ان خطوط کی نقلیں دار المصنفین میں بھی نہیں ہیں۔ لاہور اگر معلوم ہوا کہ علامہ محمد اقبال کے علمی ذخائر میں بھی یہ خطوط نہیں ہیں۔ وہ اگر مل جاتے تو علمی خزانے کی ایک دولت شمار ہوتے۔

آخر میں طاہر تونسوی کی محنت اور خوش سلیقگی کی پھر داد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دینی اور دنیوی نعمتوں اور برکتوں سے سرفراز ہوتے رہیں۔ (آمین)

سید صباح الدین عبدالرحمٰن
(ناظم دار المصنفین۔ اعظم گڑھ)

انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل۔ لاہور
۶ر دسمبر ۱۹۷۷ء

○

دیباچہ

پروفیسر میرزا محمد منور

اگلے روز عزیز برادر طاہر تونسوی صاحب نے بڑے مؤدب انداز میں آ کے کتاب پیش کی، مَیں نے بصد امتنان وصول کی، کتاب کا نام تھا "اقبال اور پاکستانی ادب" مرتبہ طاہر تونسوی —— کتاب جناب عزیز احمد صاحب کے سات مقالات پر مشتمل تھی۔ ساتوں مقالات علامہ اقبال کے فن اور فکر سے متعلق ہیں، مَیں نے طاہر صاحب کو دعا دی، انہوں نے عزیز احمد صاحب کا یہ "ہفت مقالہ" مرتب کر کے اُردو ادب کے متوالوں پر عموماً اور حضرت علامہ کے افکار و تصورات کے دیوانوں پر خصوصاً احسان کیا ہے۔ عزیز احمد صاحب دُور نشیں ہیں اور ٹورنٹو (کینیڈا) میں مکیں ہیں۔ طاہر صاحب نے ایک طرح سے اُن کی بھی خدمت سرانجام دی ہے کہ اُن کے ان منتشر اوراق کی شیرازہ بندی کر کے اِن اوراق کے محتویات کو ضائع ہونے سے بچا لیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے "اقبالیات" کے باب میں تحقیقی کام کرنے والوں پر بھی احسان کیا ہے کہ اب انہیں عزیز احمد

صاحب کے یہ وقیع مقالات یکجا مل جائیں گے اور حق یہ ہے کہ حضرتِ علامہ کے ضمن میں عزیز احمد صاحب ایک نہایت اہم حوالہ ہیں۔

آج طاہر صاحب نے ایک مسودہ لا دکھایا ہے جس میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی اور حضرتِ علامہ کے روابط پر روشنی پڑتی ہے میں نے اس تالیف کو دیکھا تو مزید دعا دی اور ساتھ ہی میرے منہ سے نکلا عزیز من! یہ تو آپ نے گراں قدر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرتِ علامہ کے دل میں علامہ شبلی نعمانی اور ان کے ادارے دارالمصنفین کی کتنی قدر و عزت تھی۔ علامہ شبلی ۱۹۱۴ء میں رحلت فرمائے عدم ہوئے۔ اس وقت "اسرارِ خودی" زیرِ تصنیف تھی۔ علامہ شبلی کے بعد ان کی جانشینی کا شرف مولانا سید سلیمان ندوی کو حاصل ہوا۔ سیرت النبیؐ کی تکمیل انہی کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ دارالمصنفین کے اہتمام اور نگرانی کی ذمہ داری کا بارِ گراں بیشتر انہی کے کاندھوں پر رہا، ساتھ ہی تحقیق اور وہ بھی علامہ شبلی کی طرح مختلف النوع علمی و ادبی تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رہا —— نیز علمی، فکری، تنقیدی اور تحقیقی اعتبار سے نہایت مؤثر مجلّے "معارف" کی روشِ خاص کی پرورش بھی جاری رہی اور نگرانی بھی۔

حضرتِ علامہ کی شاعری، فکر اور فن میں حسین تدریجی ارتقاء ہے، علامہ شبلی نے بھانپ لیا تھا اور وہ جان گئے تھے کہ اقبال کی صورت میں مسندِ ادب پر ایک شخص جلوہ گر ہو رہا ہے جو آزاد اور حالی کی جانشینی کا حق ادا کرے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ۱۹۱۴ء میں جوارِ رحمتِ الٰہی کی طرف منتقل ہونے جانے والے علامہ شبلی اسی اقبال کو جانتے تھے جو وہ ۱۹۱۴ء تک تھے، وہ اس وقت نہ سر اقبال تھے، نہ علامہ اقبال، نہ مفکرِ اسلام اقبال، نہ ترجمانِ ملت اقبال اور نہ حکیم الامت اقبال اس وقت وہ صرف ڈاکٹر اقبال تھے، حضرتِ علامہ کو یہ ساری منزلیں طے کرتے دیکھا تو علامہ شبلی کے نامور جانشین حضرت سید سلیمان ندوی نے دیکھا، حق یہ ہے کہ خود سید سلیمان ندوی کے بھی تو جوہر رفتہ رفتہ اور علامہ شبلی کی وفات کے بعد نکھرے گویا وہ اور علامہ اقبال اپنے اپنے انداز و اسلوب میں متوازی رواں رہے، دونوں نے احیاءِ ملت کے لیے زندگی وقف کئے رکھی، دونوں ایک دوسرے

کے دعاگو، خیر جُو اور قدر دان تھے ـــــــ حضرتِ سید سلیمان ندوی نے جو کچھ علامہ اقبال کے بارے میں کہا اس کا ایک قابلِ قدر اور لائق لحاظ حصہ اس کتاب میں "معارف" اور بعض دیگر حوالوں کی راہ سے آکے شامل ہو گیا ہے۔ اسی طرح حضرت علامہ نے جس جس طرح سید صاحب کو خطاب کیا اس کا منظر بھی بڑی حد تک ان اوراق پر مرتسم ہے ـــــــ اس ضمن میں ایک چیز بطورِ خاص توجہ طلب ہے اور وہ ہے حضرتِ علامہ کا طالب علمانہ ولولۂ شوق اور ذوقِ تجسس ـــــــ فکری مسائل ہوں خواہ فقہی، وہ جاننا چاہتے تھے کہ اسلافِ امت نے اُن کے بارے میں کیا کیا کاوشیں کی ہیں، انہیں اعتماد تھا کہ انفرادی، اجتماعی، آئینی، اخلاقی، فکری اور ادبی ہر جہتی معاملات و امور پر مسلمان اپنی صلاحیتیں صرف کرتے رہے ہیں۔ آخر کوئی معاشرہ جو عہدِ قدیم و عصرِ جدید کے مابین پُل کا کام دے رہا ہو اس نے لازماً بے حد مشقت اٹھائی ہوگی، ظاہر ہے کہ وہ معاشرہ اگر تقریباً ایک ہزار سال تک دنیائے انسانیت کی قیادت کا حق ادا کرتا رہا ہے تو اس کے کچھ اسباب بھی تھے، ـــــــ

حضرت علامہ چاہتے تھے کہ اپنے افکار و نظریات اور تخلیقات کو اپنے بزرگانِ سلف کی فکری، نظری اور تخلیقی کاوشوں کے ساتھ مربوط رکھیں تاکہ تسلسل قائم رہے حضرت علامہ بڑی حد تک اس مقصد میں کامیاب رہے ـــــــ ہم دیکھتے ہیں کہ اس مخصوص مقصد کے حصول کی خاطر وہ ہر اُس عالم اور محقق سے رجوع کرتے ہیں اور شاگردانہ رجوع کرتے ہیں جن سے انہیں کچھ پالینے کی توقع ہوتی ہے، اُن کا ذوقِ تجسس اور طالب علمانہ رویہ ان کے طریقِ استفسار سے بالکل عیاں ہے ـــــــ انہیں اس باب میں کوئی عار لاحق نہ ہوتی تھی۔

بہر حال جناب طاہر تونسوی نے ملت کے ان دونوں بزرگوں اور محسنوں کے قلمی روابطِ باہمی کی ایک دلکش اور مفید تصویر اس تالیف میں پیش کر دی ہے، جس سے وہ اربابِ نظر جو علامہ اقبال اور مولانا سید سلیمان کی شخصیتوں، علمی کارناموں، ادبی اور فکری کاوشوں سے

دلچسپی رکھتے ہوں بطور خاص مستفید ہو سکتے ہیں ــــــــــ طاہر صاحب نے ان تحریروں کو یکجا کر کے علم و ادب کی ایک لائق تحسین خدمت سر انجام دی ہے اور اہل جستجو پر یقیناً احسان کیا ہے، اُن کا وقت بھی بچے گا اور محنت بھی، ــــــــــ خدا طاہر صاحب کو مزید ہمت عطا فرمائے تاکہ وہ مزید ایسے کارہائے خیر کرتے رہیں۔

(پروفیسر) محمد منوّر
شعبۂ اُردو گورنمنٹ کالج، لاہور

مورّخہ
۱۲ر نومبر ۱۹۷۷ء

مقدمہ

علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی

"آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے اونچے زینے پر ہیں۔ وہ عالم ہی نہیں امیر العلماء ہیں۔ مصنف ہی نہیں رئیس المصنفین ہیں۔ ان کا وجود علم وفضل کا ایک دریا ہے جس سے سینکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں سیراب ہوئی ہیں۔"

(اقبال)

"اقبال صرف شاعر نہ تھا، وہ حکیم تھا، وہ حکیم نہیں جو ارسطو کی گاڑی کے قلی ہوں یا یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چیں۔ بلکہ وہ حکیم جو اسرارِ کلامِ الٰہی کے محرم اور رموزِ شریعت کے آشنا تھے۔ وہ نئے فلسفہ کے ہر راز سے آشنا ہو کر اسلام کے راز کو اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا۔ یعنی بادۂ انگور نچوڑ کر کوثر و تسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا۔"

(سید سلیمان ندوی)

یہ دو الگ الگ اقتباس ہیں جو عصرِ حاضر کی نابغۂ روزگار شخصیتوں نے ایک دوسرے

کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔ پہلا اقتباس شاعرِ مشرق حضرت علامہ اقبال کا ہے جو اُنہوں نے علوم اسلام کی جوئے شیر کے فرہاد سید سلیمان ندوی کے بارے میں فرمایا ہے۔ دوسرا اقتباس علامہ شبلی کے جانشین اور اُن کے بعد اُستاذِ کل سید سلیمان ندوی کا ہے جو اُنہوں نے دینِ کامل کے علمبردار اور فلسفہ اسلام کے ترجمان حضرتِ اقبال کے بارے میں ارشاد فرمائے تھے۔

ملتِ اسلامیہ کے یہ دونوں عظیم رہنما آج ہم میں نہیں ہیں مگر انہوں نے تحریروں کی شکل میں جو یادگاریں چھوڑی ہیں وہ انہیں کبھی مرنے نہ دیں گی۔

اِن اقتباسات سے جہاں ایک طرف ان کے علمی مرتبے کا پتہ چلتا ہے وہاں اس بات سے بھی آگاہی ہوتی ہے کہ یہ دونوں حضرات باہمی تعلقات کی کس نہج پر تھے اور ایک دوسرے کے بارے میں کن خیالات کا اظہار کرتے تھے۔

اس بات کا ابھی تک علم نہیں ہو سکا کہ ان دونوں شخصیتوں کی ملاقات کب اور کہاں ہوئی تھی اور باہمی ربط کا سلسلہ کیسے شروع ہوا۔ ممکن ہے کہ اِن دونوں حضرات کی شناسائی بہت پہلے کی ہو بہر حال ان کے رابطے کا پتہ علامہ اقبال کے خط بنام سید سلیمان ندوی سے لگتا ہے جو اُنہوں نے یکم نومبر ۱۹۱۶ء کو لکھا۔ اِسی طرح ۱۹۱۶ء میں ہی سید سلیمان ندوی نے رسالہ معارف کا اجراء کیا۔

علامہ اقبال کے پہلے خط سے البتہ پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں حضرات کے تعلقات کافی عرصے سے تھے اور وہ ایک دوسرے کے منصب اور مرتبے سے پورے طور پر آگاہ تھے خاص طور پر حضرت علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی کو ملتِ اسلامیہ کے لیے مشعلِ راہ سمجھتے تھے تبھی اُنہوں نے اپنے اس مختصر خط میں اُنہیں لکھا:

"اورینٹیل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ ماہوار ہے میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو

اپنے لیے پسند فرماتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے لیے سعی کی جائے۔ آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لیے بے حد مفید ہو گا۔" [1]

اس خط میں بھی اور دیگر خطوط میں حضرت علامہ نے اُنہیں مخدومی کے لفظ سے خطاب کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ سید سلیمان ندوی کا کتنا احترام کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ سید سلیمان ندوی صاحب اس پوسٹ کے لیے راضی نہ ہوئے اور پنجاب میں مستقل طور پر رہائش پذیر نہ ہوئے۔ اور علامہ اقبال کی یہ خواہش صرف خواہش ہی رہی جس کو اُنہیں بے حد افسوس بھی ہوا۔ اس کا اظہار اُنہوں نے اپنے ۱۲ر نومبر ۱۹۱۶ء کے خط میں کیا تھا۔

"مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے۔ لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیل ارشاد میں آپ کو لکھنا ضرور تھا۔ کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا اور وہ یہ کہ میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب کو صوبہ متحدہ کے علماء و فصحا سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے۔" [2]

گویا حضرت علامہ اقبال اسلام کی ترویج و ترقی کے لیے علماء و فصحا کو پنجاب میں لانا چاہتے تھے تاکہ یہ خطہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جائے۔ اس سلسلے میں اُنہوں نے مولانا شبلی کو بھی مستقل طور پر پنجاب میں سکونت پذیر ہونے کی دعوت دی تھی۔ اس کا ذکر اُنہوں نے حوالا بالا خط میں کیا ہے۔

چونکہ حضرت علامہ اسلام کی بالادستی چاہتے تھے اس لیے وہ ہر اُس شخصیت کو

---

[1] اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۷۵

[2] اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ ص ۷۶

قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے جو اسلام کے فروغ کے لیے کوشاں ہوتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ سید سلیمان ندوی اس سلسلے میں پیش پیش تھے چنانچہ حضرت علامہ نے انہیں اپنے خط میں لکھا کہ:

"علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے"۔ (۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء)

ایک دوسرے خط میں یوں رقمطراز ہیں:

"آپ کا وجود ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے ازبس ضروری ہے اور مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا ہے تاکہ وہ دیر تک آپ کے علوم سے مستفیض ہوتے رہیں"۔

(۲ر اگست ۱۹۳۶ء)

ایک اور خط میں انہیں قلندر کہتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے ؎

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند

زشاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

(۵ر ستمبر ۱۹۲۴ء)

ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال سید سلیمان ندوی کے وجود کو ملتِ اسلامیہ کے لیے کتنا اہم سمجھتے تھے۔ اسلامی مسائل کے بارے میں اپنے خطوط میں اکثر و بیشتر اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

"رویتِ باری کے متعلق جو استفسار میں نے آپ سے کیا تھا اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی۔ خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی

پڑ سکے ....‘‘ (۱۴ / مئی ۱۹۲۴ء)

’’کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلمبند فرما کر مجھے ارسال فرما دیں۔ میں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا صرف خلاصہ چاہتا ہوں جس کے لکھنے میں غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع نہ ہوگا ....‘‘

(۱۸ / مارچ ۱۹۲۸ء)

اس کے علاوہ بے شمار اسلام کے مسائل ایسے ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی سے استفسار کیا اور اُن کی رائے اور مشورے کو صائب سمجھا۔ اس سلسلے میں وہ کتابوں کے بارے میں بھی اُن سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

’’حضرت ابن عربی کے خیالات وافکار بھیجنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا اُس کے لیے بے حد شکر گزار ہوں ....‘‘

(۱۷ / ستمبر ۱۹۳۳ء)

’’میں نے سُنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بدور البازغہ چھپ گئی ہے۔ مہربانی کر کے اُس کا نسخہ وی پی مجھے ارسال فرمائیے۔ اگر آپ کے ہاں نہیں ہے تو مہربانی کر کے جہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے وہاں سے منگوا دیجئے ....‘‘ (۲ / اگست ۱۹۳۶ء)

اس کے ساتھ ساتھ حضرت علامہ اُنہیں خود بھی تصنیف و تالیف کے سلسلے میں مشورے دیتے تھے کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کے سوا اس کام کو کوئی پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا۔ چنانچہ اُنہیں لکھتے ہیں۔

’’دار المصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہیے اس کی سخت ضرورت ہے۔ عام طور پر یورپ میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں ہیں‘‘ (۴ / ستمبر ۱۹۳۳ء)

ایک اور خط میں یوں رقمطراز ہیں ۔

"اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے۔ اس بحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی ہے جو میری نظر سے گذری ہے ۔ مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے اُن کو نظر انداز کر دیا ہے ۔ اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں اُن سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا۔ موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا ...."

(۱۸ر مارچ ۱۹۲۶ء)

اس طرح جب ۱۹۳۳ء میں شاہِ افغانستان کی طرف سے دعوت نامہ آیا اور اُس میں سید سلیمان ندوی کا نام بھی شامل تھا تو حضرت علامہ نے بڑی خوشی محسوس کی اور اس سفر کے بارے میں اُنہیں بہت سے خطوط لکھے اور ضروری مشورے دیے اس سفر میں ڈاکٹر اقبال سید سلیمان ندوی سے بے حد متاثر ہوئے ۔ افغانستان سے واپسی پر ہندوستان میں اس وفد پر بہت سے اعتراضات لگائے گئے تو ڈاکٹر اقبال نے دو بیانات دیئے جن پر سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود کے بھی دستخط تھے ۔ سید سلیمان ندوی نے سیرِ افغانستان کے نام سے معارف میں اپنا یہ سفر نامہ لکھنا شروع کیا تو حضرت علامہ نے اُنہیں ایک خط میں لکھا :

"آپ کا سفر نامہ افغانستان خوب ہے لوگوں نے بہت پسند کیا ......"

(۶ر ستمبر ۱۹۳۴ء)

اس طرح ادبی مباحث میں بھی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے ۔ چنانچہ جب معارف اپریل ۱۹۱۸ء میں رموزِ بے خودی پر سید سلیمان ندوی کا تبصرہ پڑھا تو اُنہیں لکھا ۔

"معارف میں ابھی آپ کا ریویو (مثنوی رموزِ بے خودی) نظر سے گذرا، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے...... صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے۔ ضرور صحیح ہوگا۔ لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لیے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا......"

(۱۰/مئی ۱۹۱۸ء)

"خضرِ راہ کے متعلق جو نوٹ آپ نے لکھا ہے اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔

(۲۹/مئی ۱۹۲۲ء)

"پیامِ مشرق پر جو نوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے اس کے لیے سراپا سپاس ہوں......"

(۵/جولائی ۱۹۲۲ء)

چنانچہ سید سلیمان ندوی حضرت علامہ اقبال کی جن تحریروں پر اظہار خیال کرتے تھے اور تنقید فرماتے تھے۔ علامہ اقبال کو بڑی مسرت ہوتی تھی۔ اور اس سلسلے میں وہ انہیں اکثر لکھتے تھے کہ اُن کی خامیوں کے بارے میں آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ اس کا اظہار حضرت علامہ نے اپنے خطوط میں جا بجا کیا ہے۔

"جس توجہ سے آپ نے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے اس کے لیے نہایت شکر گزار ہوں......"

(۲۳/اکتوبر ۱۹۱۸ء)

"ہاں ترجمہ کی داد دیتا ہوں۔ لٹریری اغراض کے لیے یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے......"

(۲/دسمبر ۱۹۱۸ء)

۱۹۱۶ء میں سید سلیمان ندوی نے معارف کا اجراء کیا تو قلمی معاونت کے لیے علامہ اقبال کو بھی آمادہ کیا چنانچہ حضرت علامہ کی نظمیں اور غزلیں معارف کے مختلف پرچوں

کی زینت بنیں۔ معارف کے بارے میں رائے دیتے ہوئے حضرت علامہ نے اُنہیں تحریر فرمایا۔

"معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے۔ اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لیے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالا مال ہوتی ہے......" (یکم فروری ۱۹۲۷ء)

سید سلیمان ندوی نے اپنی تصنیفات بھیجیں تو علامہ صاحب نے اُن پر نہ صرف تبصرہ فرمایا بلکہ سید سلیمان ندوی کو خراجِ تحسین پیش کیا۔ "عمر خیام" کے بارے میں تحریر فرمایا۔

"عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اُس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا۔ الحمد للہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہُوا....."

(۹ر دسمبر ۱۹۳۳ء)

"سیرۃ عائشہ" کے بارے میں لکھا:

"سیرۃ عائشہ کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ یہ ہدیۂ سلیمانی نہیں سرمۂ سلیمانی ہے اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہُوا......"

(۲۳ر دسمبر ۱۹۲۰ء)

اس طرح سید سلیمان ندوی کی دوسری تحریروں کے بارے میں لکھا۔

"سنت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا۔ اور اس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اُٹھاؤں گا......" (۲۸ر ستمبر ۱۹۲۹ء)

زمیندار میں تذکرہ پر ریویو حضرت علامہ اقبال کی نظر سے گذرا مگر اُنہیں پسند نہ آیا اس لیے کہ وہ تو سید سلیمان ندوی کے تبصروں کے معیار کو مدنظر رکھتے تھے۔ چنانچہ اس کے بارے میں تحریر فرمایا۔

"زمیندار میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصل شائع ہوا ہے مگر سید سلیمان ندوی

کی اسٹائل اور وسعتِ نظر اُس کو حاصل نہیں ......"

(۵ ستمبر ۱۹۲۴ء)

معارف ماہِ جون ۱۹۲۳ء کے شذرات میں سید سلیمان ندوی نے پیامِ مشرق کا تذکرہ کیا ہے ۔ اس کی اطلاع بھی اُنہیں خود علامہ صاحب نے اپنے ایک خط میں دی تھی ۔

"فی الحال میں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہوں ۔ جس کا قریباً نصف حصّہ لکھا جا چکا ہے ۔ کچھ نظمیں فارسی میں ہوں گی ۔ کچھ اُردو میں ......"

(۱۰/اکتوبر ۱۹۱۹ء)

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معارف کی حضرت علامہ کی نظر میں کیا وقعت تھی ۔

"وہ اسے بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے چنانچہ ایک خط میں سید صاحب کو تحریر فرمایا کہ معارف ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارتِ ایمانی میں ترقی ہوتی ہے" [1]

علامہ اقبال کے خطوط اور اُن کی تحریروں سے یہ اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ سید سلیمان ندوی اُن کی نظر میں کیا تھے ۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کچھ غلط باتیں علامہ صاحب سے منسوب کر دی گئیں ۔ ان کی شکایت بھی علامہ صاحب نے سید صاحب سے کی ۔ مثال کے طور پر یہ واقعہ دیکھئے ۔ "مولانا ابوالکلام کا تذکرہ جب چھپا تو اس کے دیباچے میں مولوی فضل الدین احمد "الہلال" کے پریس منیجر نے یہ لکھ دیا کہ اقبال کی مثنویاں تحریکِ الہلال کی آواز بازگشت ہیں ۔ اس پر علامہ نے احتجاج کیا اور دادخواہی کے لیے سید صاحب کو مخاطب کیا اور اپنے ایک خط میں لکھا کہ "بہر حال اس کا کچھ

---

[1] مولانا سید سلیمان ندوی از سید صباح الدین عبدالرحمٰن نقوش شخصیات نمبر

افسوس نہیں کہ اُنہوں نے ایسا لکھا ۔ مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ نام آوری۔ البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال تحریک اسلامی سے مسلمان نہ تھا۔ تحریکِ الہلال نے اُسے مسلمان کیا"۔ [1]

بہرحال حضرت علامہ سید صاحب کی اسلامی خدمات اور اُن کے علمی مدارج کے بڑے معترف تھے تبھی اُنہوں نے اس بات کا اظہار اپنے ایک خط میں کیا کہ

"اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا......"

(۲۴ر اپریل ۱۹۲۶ء)

یہی نہیں بلکہ وہ سید صاحب سے ملاقات کے خواہاں رہتے تھے تاکہ علمی بحث و تمحیص سے علم کی پیاس بجھائی جا سکے چنانچہ اس سلسلے میں اُنہیں تحریر فرمایا۔

"کاش چند روز کے لیے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا....." (۱۸ر مارچ ۱۹۲۶ء)

حضرت علامہ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے سید سلیمان ندوی کو ملتِ اسلامیہ کی ترویج و بقا کے لیے بہت بڑا ستون گردانتے تھے۔ چنانچہ اُن کی بیماری اور علالت کی وجہ سے وہ خود بھی خاصے متردد رہے۔ نہ صرف سید صاحب بلکہ دوسرے احباب کو بھی اس سلسلے میں خطوط لکھے۔ ۲۸ر نومبر ۱۹۳۵ء کو مسعود عالم ندوی کو لکھا۔

"مولانا سید سلیمان ندوی کی علالت کی خبریں بہت متردد کر رہی ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو صحتِ عاجل مرحمت فرمائے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر استفسارِ حالات کیجیے۔ اس وقت علمائے ہند میں وہ

---

[1] مولانا سلیمان ندوی اور اقبال از ڈاکٹر محمد معز الدین نکر و نظر نومبر ۱۹۷۵ء ص ۲۱۹ - ۲۱۸

نہایت قابلِ احترام ہستی ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو دیر تک زندہ رکھے"۔

ایک دوسرے خط میں سید سلیمان ندوی کے صحت یاب ہو جانے پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے ۵ رفروری ۱۹۳۶ء کو مسعود عالم ندوی کو لکھا۔

"اخباروں میں مولانا سید سلیمان ندوی کی صحت کی خبریں پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خدا تعالیٰ اُن کو دیر تک سلامت رکھے۔ اُن کا وجود اس ملک میں غنیمت ہے"۔

اس طرح اپنے ۲ راگست ۱۹۳۶ء کے خط میں سید سلیمان ندوی کی صحت یابی پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

یہ تو حضرت علامہ اقبال کے جذبات و احساسات تھے جو وہ سید صاحب کے بارے میں رکھتے تھے اور جن کا اظہار اُنہوں نے اپنی تحریروں میں اور اپنے خطوں میں کیا ہے اور جنہیں اوپر کے صفحات میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سید صاحب کی نظر میں حضرت علامہ کیا تھے اور اُن کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں اُنہوں نے اپنی تحریروں میں کن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مضمون کے شروع کے اقتباس سے جیسا کہ واضح ہوتا ہے سید صاحب علامہ اقبال کو ایسا دانائے راز سمجھتے تھے جو اسرارِ کلامِ الٰہی کا محرم بھی ہے اور رموزِ شریعت کا آشنا بھی۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن لکھتے ہیں کہ "اپنے معاصرین اہلِ علم میں ڈاکٹر اقبال سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ نجی مجلسوں میں کہا کرتے تھے کہ عالمِ اسلام میں ایک عرصہ کے بعد ڈاکٹر اقبال جیسا مفکرِ اعظم پیدا ہوا ہے۔ اُن کو موحدِ خالص رسول کا شیدائی، دینِ کامل کا علمبردار، فلسفۂ اسلام کا ترجمان اور تجدیدِ ملت کا طلب گار کہا کرتے تھے ......"[۱]

---

[۱] اخلاق و سیرت کے کچھ جلوے از سید صباح الدین عبدالرحمٰن معارف سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ء

معارف کے شذرات میں اکثر و بیشتر حضرت علامہ کا تذکرہ کیا کرتے تھے۔ ۱۹۲۷ء میں جب سید صاحب لاہور تشریف لائے تو ڈاکٹر اقبال سے بھی ملاقات ہوئی۔ چنانچہ اس ملاقات کا ذکر اُنہوں نے بڑے فخر کے ساتھ کیا اور لکھا کہ "ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتوں میں شمعِ محفل تھے اُنہوں نے تو شمع و شاعر لکھا۔ لیکن میں نے تو لاہور میں خود شاعر کو شمع دیکھا اور قدر شناسوں کو اُس کا پروانہ پایا......" [1]

اسی طرح معارف جولائی ۱۹۱۶ء کے شذرات میں کلامِ اکبر پر بات کرتے ہوئے حضرت علامہ کو بھی خراجِ تحسین کرتے ہوئے لکھتے ہیں "دلی رکنی سے لے کر امیر و داغ و جلال کے زمانہ تک ہماری شاعری جس تنگ و محدود شاہراہ پر چل رہی تھی۔ اہلِ محفل کا دل اُس سے اِتنا اُکتا گیا تھا کہ اگر نئے راستے پیدا نہ ہوتے تو اُردو شاعری فنا ہو چکی ہوتی۔ مولانا شبلی کی تاریخی شاعری، مولانا حالی کا پند و موعظت، مولوی اسماعیل میرٹھی کی اخلاقی کہانیاں، ڈاکٹر اقبال کا فلسفہ، میر اکبر حسین کی پُر معنی اور لطیف ظرافت اُردو شاعری کی جدید تاریخ کے شاندار ابواب ہیں۔" [2]

اِس طرح ایک اور مقام پر اقبال کی عظمت کا یوں اعتراف کرتے ہیں۔

"ٹیگور کی عزت مادرِ ہند کی عزت ہے۔ اس کا اعزاز کُل ملک کے لیے موجبِ افتخار ہے۔ اور اس کی مسرّت عین ہم سب کی مسرّت ہے......لیکن جس وقت تک اس سرزمین پر ٹیگور۔ اکبر اور اقبال کا دم قائم ہے۔ کون اس کے فخر کی گردن کو جھکا سکتا ہے۔" [3]

---

[1] شذرات از سید سلیمان ندوی معارف مئی ۱۹۲۷ء

[2] شذرات از سید سلیمان ندوی معارف جولائی ۱۹۱۶ء صـ ۵۳

[3] شذرات از سید سلیمان ندوی معارف اگست ۱۹۲۱ء صـ ۸۳ - ۸۲

اس سے یہ اندازہ بھی لگتا ہے کہ سید صاحب علامہ صاحب سے کتنے متاثر تھے۔ اس کا اظہار اُنہوں نے کئی جگہ پر کیا ہے۔ آل انڈیا ریڈیو سے ایک پروگرام نشر ہوتا تھا جس کا عنوان تھا "جن سے میں متاثر ہوا"۔

اس عنوان کے تحت اہلِ دانش تقریریں کیا کرتے تھے۔ سید سلیمان ندوی نے بھی اس میں حصہ لیا اور کہا:

"۱۹۱۲ء میں جب مولانا شبلی نے نئی اُردو شاعری کی طرح ڈالی تو دل نے اس میں بھی اُستاد کی پیروی کا حق ادا کرنا چاہا۔ متعدد نظمیں اس رنگ میں لکھیں جن کا خاتمہ اُستاد کے ماتم پر ہوا۔ جو نوحۂ اُستاد کے نام سے ۱۹۱۵ء میں پُونا میں چھپا جہاں میں ان دنوں دکن کالج میں فارسی کا لیکچرر تھا۔ میں نے جب یہ نوحہ لکھا تو اکبر الہ آبادی۔ ڈاکٹر اقبال۔ عزیز لکھنوی۔ مولانا شیروانی وغیرہ اور اُستاد مرحوم کے اکثر دوستوں اور قدر دانوں کے پاس اس تحفہ کو بھیجا۔ سب نے تعریفیں کیں اور دل بڑھایا"۔ [۱]

اس طرح سید سلیمان ندوی نے علامہ اقبال کی کتب رموزِ بےخودی پیامِ مشرق اور اُن کی نظم خضرِ راہ پر معارف میں جو ریویو تحریر کیے خود اقبال نے اپنے خطوط میں اُن کی داد دی اور سید صاحب سے بار بار اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اُن کے کلام اور تحریروں کے بارے میں اپنے گرانقدر تنقیدی خیالات سے آگاہ کرتے رہا کریں اور خامیوں کی نشاندہی بھی کر دیا کریں۔ اس سے مجھے فائدہ ہوگا۔

اس کے علاوہ بھی دیگر تحریروں اور تبصروں میں سید سلیمان ندوی نے حضرتِ علامہ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ علم المعیشت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "سالِ رواں کی

---

[۱] جن سے میں متاثر ہوا از سید سلیمان ندوی معارف جولائی ۱۹۵۰ء ص۱

زندہ کتابوں میں پروفیسر محمد الیاس برنی کی علم المعیشت ہے۔ مصنف نے پولیٹیکل اکانومی کا ترجمہ علم المعیشت کیا ہے۔ ہندوستان میں سب سے پہلے اس علم پر غالباً ۱۸۶۹ء میں دلی کالج کے ایک ہندو ماسٹر نے ایک کتاب لکھی تھی۔ پھر یہی کتاب کسی قدر تکمیل کے بعد سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ کی طرف سے شائع ہوئی۔ اُس وقت اس علم کا نام "انتظامِ مدن" قرار پایا۔ اس کے چند سال بعد میو کالج اجمیر کے ایک مسلمان پروفیسر نے ایک انگریزی کتاب کا کفایت شعاری کے نام سے خلاصہ کیا۔ ڈاکٹر اقبال نے مصر کی تقلید میں اس کو علم الاقتصاد کے نام سے ملک میں روشناس کرایا"۔ [۱]

یاد رہے کہ "علم الاقتصاد" کے نام سے علامہ اقبال کی اپنی کتاب شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح سید سلیمان ندوی نے "اقبال کا علم کلام" کے عنوان سے ایک طویل تنقیدی مقالہ تحریر کیا۔ اور اس میں علامہ اقبال کی شاعری کے حوالے سے تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ کیا گیا ہے۔

کابل کے وفد میں سر راس مسعود اور علامہ اقبال کے ساتھ سید سلیمان ندوی بھی شریک سفر تھے۔ چنانچہ سید صاحب نے اپنے سفرنامے سیرِ افغانستان میں علامہ اقبال کا جگہ جگہ بڑے احترام سے تذکرہ کیا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں جب سید سلیمان ندوی لاہور میں ادارہ معارفِ اسلامیہ کے جلسہ کے موقع پر تشریف لائے تو انہوں نے ایک طویل مقالہ بعنوان "لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا" پڑھا۔ اس جلسے کی صدارت حضرت علامہ اقبال نے کی تھی۔

اپریل ۱۹۳۸ء میں جب حضرت علامہ کا انتقال ہوا تو اس عظیم سانحے پر ماتمِ اقبال کے نام سے مئی ۱۹۳۸ء کے معارف میں گہرے رنج و غم کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے

---

[۱] مطبوعاتِ جدیدہ از سید سلیمان ندوی معارف اپریل ۱۹۱۷ء ص ۵۴

اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ سید صاحب نے لکھا کہ "مولانا شبلی مرحوم نے اقبال کو اُسی وقت پہچان لیا تھا جب ہنوز اُن کی شاعری کے مُرغِ شہرت نے بال و پر پیدا نہیں کئے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ حالی اور آزاد کی جو کُرسیاں خالی ہوں گی اُن میں سے ایک اقبال کی نشست سے پُر ہو جائے گی۔ افسوس کہ آج اڑتیس برس کے بعد وہ کُرسی خالی ہو گئی اور اب اُس کے بھرنے کی کوئی صورت نہیں"۔

آگے چل کر وہ حضرت علامہ کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اقبال: ہندوستان کا فخر اقبال ـــــ اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال ـــــ فضل و کمال کا پیکر اقبال ـــــ حکمت و معرفت کا مجسمہ اقبال ـــــ کاروانِ ملت کا رہنما اقبال ـــــ رخصت۔ رخصت۔ الوداع۔ الوداع"۔

اِسی طرح علامہ اقبال کی رحلت پر ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کو ایک مکتوب میں لکھا۔

"میری اور آپ کی ملاقات مرحوم ڈاکٹر اقبال کے ذریعے ہوئی۔ اس لیے آپ کے اور میرے خطوں کے تبادلہ میں اس سانحہ عظیم کا ذکر ضروری ہے۔ مرحوم کی وفات پر چند رسمی غمگین لفظوں کا اظہار ناکافی ہے۔ یہ وہ غم ہے جس کے لیے الفاظ کافی نہیں ......" [۱]

یہ وہ تفصیل تھی جس کی بنا پر علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی کو مولانا شبلی کے بعد اُستاذ الکل کہا اور علومِ اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد لکھا۔ اور سید سلیمان ندوی نے حضرت علامہ اقبال کو اسرارِ کلامِ الٰہی کا محرم اور رموزِ شریعت کا آشنا قرار دیا۔

---

[۱] علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اقبال اپریل ۱۹۵۶ء ص ۱۲۰

مکاتیبِ اقبال

بنام

سید سلیمان ندوی

علامہ اقبال نے وقتاً فوقتاً جو خطوط سید سلیمان ندوی کو لکھے اُن کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔ ان کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شاعرِ مشرق عالمِ مشرق سے کس طرح مخاطب ہوتے تھے اور کن مسائلِ شرعیہ وادبیہ کے بارے میں اُن سے رائے لیتے تھے۔ ان خطوط سے جہاں ایک طرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید سلیمان ندوی کی رائے کو علامہ اقبال کتنی اہمیت دیتے تھے وہاں یہ خبر بھی ملتی ہے کہ سید سلیمان ندوی کے خطوط کے وہ کتنی بے چینی سے منتظر رہتے تھے۔ یہ خطوط اقبال نامہ[1] میں شائع ہوئے۔ ان میں بعض خطوط کی سنہ وار ترتیب میں نے ٹھیک کر دی ہے۔ یہ خطوط رسالہ معارف[2] میں بھی شائع ہوئے جس کا اشاریہ یوں ہے۔

---

[1] اقبال نامہ مرتبہ شیخ عطاء اللہ حصہ ۵، ۷ تا ۲۰۰

[2] فائل رسالہ معارف اپریل ۱۹۵۴ء مارچ ۱۹۵۵ء

خط نمبر	تعداد	ماہ	صفحہ
۱ - ۹	۹	اپریل ۱۹۵۴ء	۳۰۶
۱۰ - ۱۱	۲	مئی ۱۹۵۴ء	۳۸۹
۱۲ - ۲۴	۱۳	جون ۱۹۵۴ء	۴۶۱
۲۵ - ۳۴	۱۰	جولائی ۱۹۵۴ء	۶۶
۳۵ - ۳۹	۵	اگست ۱۹۵۴ء	۱۴۶
۴۰ - ۴۱	۲	ستمبر ۱۹۵۴ء	۲۱۲
۴۲ - ۴۸	۵	اکتوبر ۱۹۵۴ء	۳۰۹
۴۹ - ۵۳	۱۲	جنوری ۱۹۵۵ء	۶۴
۶۶ - ۷۰	۵	مارچ ۱۹۵۵ء	۲۲۷

۱

لاہور

یکم نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی، السّلام علیکم

اوری اینٹل کالج لاہور میں ہیڈ پرشین ٹیچر کی جگہ خالی ہوئی ہے۔ اس کی تنخواہ ایک سو بیس روپیہ ماہوار ہے، میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ اس جگہ کو اپنے لیے پسند فرماتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو آپ کے لیے سعی کی جائے۔ آپ کا لاہور میں رہنا پنجاب والوں کے لیے بے حد مفید ہوگا۔ والسّلام

آپ کا خادم

محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

۲

لاہور

۱۲ر نومبر ۱۹۱۶ء

مخدومی، السلام علیکم

مجھے یہ معلوم تھا کہ آپ ملازمت کوئی قبول نہ کریں گے، لیکن سنڈیکیٹ کے بعض ممبروں کی تعمیل ارشاد میں آپ کو لکھنا ضرور تھا کسی قدر خود غرضی کا شائبہ بھی میرے خط میں تھا، اور وہ یہ کہ مَیں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صُوبہ متحدہ کے علماء و فصحا سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے۔ اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے، مولانا شبلی مرحُوم کی زندگی میں مَیں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں، مگر مسلمان امرا میں مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے، میری کوشش بارآور نہ ہُوئی۔ اللہ تعالیٰ دار المصنفین کے کام میں برکت دے اور آپ کا وجود مسلمانوں کے لیے مفید ثابت کرے۔

آپ کی غزل لاجواب ہے، بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا ؎

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوُں جو رگِ گلو میں ہے

• مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا، اور جو چند نظمیں انہوں نے لکھی تھیں وہ نہایت مقبول ہُوئیں غزل کے ساتھ وہ سلسلہ بھی جاری رکھئے۔

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۳

لاہور

۱۳؍ نومبر ۱۹۱۷ء

مخدومی، السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ قوتِ روح اور اطمینانِ قلب کا باعث ہے، مَیں ایک مدّت کے مطالعہ اور غور و فکر کے بعد انہیں نتائج پر پہنچا ہُوں جو آپ کے والا نامے میں درج ہیں۔ جو کام آپ کر رہے ہیں۔ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسُول آپ کو اس کا اجر عطا فرمائیں گے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ تصوّف کا وجُود ہی سرزمینِ اسلام میں ایک اجنبی پودا ہے، جس نے عجمیوں کی دماغی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے۔

آپ کو خیر القرون قرنی والی حدیث یاد ہو گی اس میں نبی کریم فرماتے ہیں کہ میری امت میں تین قرنوں کے بعد سمن (و یظھر فیھم السمن) کا ظہور ہو گا۔ مَیں نے اس پر دو تین مضامین اخبار وکیل امرتسر میں شائع کئے تھے، جس کا مقصود یہ ثابت کرنا تھا کہ "سمن" سے مراد رہبانیت ہے جو وسط ایشیا کی اقوام میں مسلمانوں سے پہلے عام تھی، ائمہ محدثین نے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے یہ لکھا ہے کہ اس لفظ سے مراد عیش پرستی ہے، مگر لسانی تحقیق سے محدثین کا خیال صحیح نہیں کھُلتا، افسوس ہے کہ عدیم الفرصتی اور علالت کی وجہ سے مَیں ان مضامین کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ میرا تو عقیدہ ہے کہ غلو فی الزہد اور مسئلہ وجود مسلمانوں میں زیادہ تر بدھ (سمنیت) مذہب کے اثرات کا نتیجہ ہیں۔ خواجہ نقشبند اور مجدد سرہند کی میرے دل میں بہت بڑی عزت ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج یہ سلسلہ بھی عجمیت کے رنگ میں رنگ گیا ہے، یہی حال سلسلۂ قادریہ کا ہے جس میں مَیں خود بیعت رکھتا ہُوں، حالانکہ حضرت محی الدین[1] کا مقصود اسلامی

---

[1] حضرت محی الدین عبدالقادر گیلانی

تصوّف کو عجمیت سے پاک کرنا تھا۔

مؤلف سے میری مراد ایڈیٹر کتاب الطواسین موسیو میسگنان ہے جس نے فرانسیسی زبان میں طواسین کے مضامین پر حواشی لکھے ہیں۔ انشاءاللہ "معارف" کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا، میری صحت بالعموم اچھی نہیں رہتی، اس واسطے بہت کم لکھتا ہوں۔ مثنوی اسرارِ خودی کا دوسرا حصہ یعنی رموزِ بیخودی (اسرار حیاتِ ملیۂ اسلامیہ) قریب الاختتام ہے شائع ہونے پر ارسالِ خدمت کروں گا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

۴

لاہور

۲۸/اپریل ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، رموزِ بیخودی مَیں نے ہی آپ کی خدمت میں بھجوائی تھی، ریویو کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔

آج مولانا ابوالکلام کا خط آیا ہے۔ انھوں نے بھی میری اس ناچیز کوشش کو بہت پسند فرمایا ہے۔ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاذ الکل ہیں۔ اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہوگا۔ اسرارِ خودی کا دُوسرا ایڈیشن تیار کر رہا ہوں، عنقریب آپ کی خدمت میں مرسل ہوگی۔

رسالہ "صوفی" میں مَیں نے کوئی نظم شائع نہیں کی۔ کوئی پرانی مطبوعہ نظم انھوں نے شائع کر دی ہوگی۔ ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ مَیں "صوفی" کو "معارف" پر ترجیح دوں "معارف" ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارتِ ایمانی میں ترقی ہوتی ہے،

میں انشاءاللہ ضرور آپ کے لیے کچھ لکھوں گا، یہ وعدہ کچھ عرصہ ہُوا میں نے آپ سے کیا تھا اور میں اِس وقت پُورا نہیں کر سکا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا والسلام

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۵

لاہور

۱۰ ر مئی ۱۹۱۸ء

مخدومِ مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب، السلام علیکم

"معارف" میں ابھی آپ کا ریویو (مثنوی رموزِ بیخودی پر) نظر سے گذرا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہُوں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

صحتِ الفاظ و محاورات کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے ضرور صحیح ہو گا، لیکن اگر آپ ان لغزشوں کی طرف بھی توجہ فرماتے تو میرے لیے آپ کا ریویو زیادہ مفید ہوتا، اگر آپ نے غلط الفاظ و محاورات نوٹ کر رکھے ہیں تو مہربانی کر کے مجھے ان سے آگاہ کیجیے کہ دوسرے ایڈیشن میں ان کی اصلاح ہو جائے۔

غالباً آپ نے "رموزِ بیخودی" کے صفحات پر ہی نوٹ کئے ہوں گے۔ اگر ایسا ہو تو وہ کاپی ارسال فرما دیجیے، مَیں دُوسری کاپی اس کے عوض میں آپکی خدمت میں بھجوا دوں گا۔ اِس تکلیف کو مَیں ایک احسان تصور کروں گا، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۶

مخدومی مولانا، السّلام علیکم

چند اشعار "معارف" کے لیے ارسالِ خدمت ہیں، ان میں سے جو پسند آئے اُسے شائع کیجئے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

نہ سلیقہ مجھ میں کلیمؑ کا نہ قرینہ تجھ میں خلیلؑ کا
مَیں ہلاکِ جادوئے سامری تُو قتیلِ شیوۂ آذری
مَیں نوائے سوختہ در گلو، تو پریدہ رنگ رمیدہ بُو
مَیں حکایتِ غمِ آرزو، تو حدیثِ ماتمِ دلبری
مرا عیش غم، مرا شہد سم، مری بود ہم نفسِ عدم
ترا دل حرم، گروِ عجم ترا دیں خریدۂ کافری
تری راکھ میں ہے اگر شرر، تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری
کوئی ایسی طرزِ طواف تو مجھے اے چراغِ حرم بتا
کہ ترے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشتِ سمندری
گلۂ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہلِ حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی "ہری ہری"
کرم اے شہِ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظرِ کرم
وہ گدا کہ تُو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغِ سکندری

والسّلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۲۳ مئی ۱۹۱۸ء

۷

لاہور

۸ر دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم

"رموزِ بیخودی" کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا، اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہوگیا، امید کہ توجہ فرمائی جائے گی، تاکہ میں دُوسرے ایڈیشن میں آپ کے ارشادات سے مستفید ہوسکوں۔

وساتیر کے حوالوں کے متعلق آپ نے لکھا تھا، اُس وقت اورینٹل کالج لاہور کا کتب خانہ بند تھا اور اب بھی بند ہے۔ اکتوبر میں کھلے گا، اگر کچھ حوالے دستیاب ہوگئے تو عرض کروں گا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

رُوس کے مسلمانوں کے متعلق جو مضمون "معارف" میں شائع ہوا ہے، اُسے ایک علیحدہ رسالے کی صُورت میں شائع کرنا چاہیئے۔

محمد اقبال

۸

لاہور

۳ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدوم مکرم جناب مولانا، السّلام علیکم

آپ کا نوازشنامہ مل گیا ہے، جس کے لیے نہایت ممنون ہُوں۔ مجھے اس سے بہت فائدہ پہنچے گا، میں چند روز کے لیے شملہ گیا تھا، وہاں معلوم ہُوا کہ آپ بھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ سے ملاقات نہ ہوسکی، مجھے ایک ضروری کام

درپیش تھا، جس میں مصروفیت رہی، البتہ معنوی طور پر آپ کی صحبت رہی۔ کیونکہ رات کو سیرتِ نبویؐ کا مطالعہ رہتا تھا، مولانا مرحوم نے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے جس کا صلہ دربارِ نبوی سے عطا ہوگا۔

قوافی کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا بالکل بجا ہے، مگر چونکہ شاعری اس مثنوی سے مقصود نہ تھی اس واسطے مَیں نے بعض باتوں میں عمداً تساہل برتا، اس کے علاوہ مولانا روم کی مثنوی میں قریباً ہر صفحہ پر اس قسم کے قوافی کی مثالیں ملتی ہیں۔ اور ظہوریؔ کے ساقی نامہ کے چند اشعار بھی زیرِ نظر تھے، غالباً اور مثنویوں میں بھی ایسی مثالیں ہونگی،

اصولِ تشبیہ کے متعلق کاش آپ سے زبانی گفتگو ہو سکتی، قوتِ واہمہ کے عمل کے رُو سے بیدؔل اور غنیؔ کا طریق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ گو کتبِ بلاغت کے خلاف ہے، زمانۂ حال کے مغربی شعرا کا بھی طرزِ عمل یہی ہے، تاہم آپ کے ارشادات نہایت مفید ہیں اور مَیں اُن سے مستفید ہونے کی پُوری کوشش کروں گا۔

بحرِ تلخ رو، کلمہ بسکونِ لام، باریک تراز جو (بمعنی کم در عرض و عمق) کوریٔ ذوق، محفل از ساغر رنگین کردن، سرمۂ او دیدۂ مردم شکست، سازِ برق آہنگ، از گل غربت (بمعنی شر) نوا بالیدن، صبحِ آفتاب اندر قفس وغیرہ کی مثالیں اساتذہ میں موجود ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ آپ کا وقت ضائع ہوگا نظر انداز کرتا ہوں، البتہ اگر آپ اجازت دیں تو لکھوں گا۔ محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ مَیں نے غلط مثالیں تو انتخاب نہیں کیں۔

ایک امر دریافت طلب ہے اس سے آگاہ فرما کر ممنون کیجیے "قطرۂ از نرگس شہلاستی" پر جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا ہے مَیں نہیں سمجھ سکا، کیا آپ کا یہ مقصود ہے کہ قطرہ کا لفظ شہلا کے لیے (یعنی قطرۂ شہلا) موزوں نہیں یا کچھ اور؟ علیٰ ہذا القیاس "خیمہ بر نسود در حقیقت از مجاز" "نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت"، "باز بانت کلمۂ توحید خواند" کے متعلق بھی یہی سوال ہے،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اس طویل خط کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

مخلص

محمد اقبال

۹

لاہور

۲۰ر نومبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

کئی روز ہوگئے ایک عریضہ خدمتِ عالی میں لکھا تھا، جواب سے ہنوز محروم ہوں۔ "خیمہ برزداز حقیقت درمجاز" کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ "از" میں تجاوز کا مفہوم نہیں ہے، کیونکہ خیمہ برزدن کے معنی قیام کرنے کے ہیں، مَیں تلاش میں تھا کہ کوئی سند مل جائے، جیسا کہ مَیں نے گذشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا، آج کلیاتِ سعدی میں وہ سند مل گئی جوارسالِ خدمت ہے۔

صُوفی از صومعہ گو خیمہ بزن در گلزار　　وقت آن نیست کہ در خانہ نشینی بیکار

بصیری کو چادر عطا ہونا کئی روایات میں آیا ہے، گذشتہ خط میں اس کا حوالہ لکھنا بھُول گیا تھا، مولوی ذوالفقار علی دیوبندی نے شرح قصیدہ بردہ میں منجملہ اور روایات کے یہ روایت بھی لکھی ہے۔ مطلع فرمائیے کہ جو اسناد میں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں اُن کی نسبت آپکی کیا رائے ہے، الفاظ "ورثہ" اور "خیال" کے متعلق بھی عرض کروں گا،

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۱۰

لاہور

۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کے دونوں نوازشنامے مِل گئے، جن کے لیے سراپا سپاس ہُوں، مَیں بخار میں مبتلا تھا، اس لیے جواب نہ لکھ سکا، اس کے علاوہ ٹیک چند بہار کی "ابطالِ ضرورت" میرے پاس لاہور میں موجُود نہ تھی، اس رسالہ میں لفظ کلمہ پر بحث ہے، دیکھ کر جواب عرض کروں گا۔ اور باقی اسناد بھی لکھوں گا۔

"سیر" فارسی میں ان معنوں میں آتا ہے۔ سیر کردن، سیر زدن، سیر داشتن، بلکہ سیر دیدن بھی،

عمر ہا صائب بشہر عقل بودم کوچہ بند　　مدتے ہم با غزالاں سیرِ صحرا می زنم

مخلص کاشی

تماشا دارد اے مہ با تو سیرِ گلستان کردن　　کہ از شرمِ رخت ہر گل بچندیں رنگ خواہد شد

لفظ نعرہ حیوانات کی آواز کے لیے بھی آتا ہے، اس وقت نعرۂ اسپ کی سند موجُود ہے، اور مجھے یاد ہے شیر کے لیے بھی مستعمل ہُوا ہے، انشاء اللہ عرض کروں گا، مگر مَیں نے اور وجُوہ سے اس شعر میں ترمیم کر دی ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ غریدن بہت بہتر ہے،

دشت اور بیشہ مرادف بھی آتے ہیں، اور دشت کے لیے ضرور نہیں کہ بالکل خشک ہو۔

مپرس از آب و رنگِ کوہسارش　　ہزاراں دشتِ لالہ داغدارش

یحییٰ شیرازی

وشت در معنی آبادی وویرانہ آیا ہے، اور معنی کلیّت کے پیدا کرتا ہے. مگر اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں کہ مَیں نے ہر دو اشعار زیر بحث میں ترمیم کر دی ہے، دشت و در ایسا ہی ہے جیسے کوہ ودشت، پست و بلند سے تقطیع بھی نہیں گرتی، آپ نے مصرع صحیح نہیں لکھا، "نعرۂ زد شیرے در دامان وشت" نہیں بلکہ "نعرۂ زد شیرے از دامان وشت" ہے. باقی باتیں انشاء اللہ دوسرے خط میں عرض کروں گا.

جس توجہ سے آپ نے تنقیدی خطوط لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے، اُس کے لیے نہایت شکر گذار ہُوں، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا.

مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۱

لاہور

۳۰ راکتوبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السّلام علیکم

اسناد حسبِ وعدہ حاضر ہیں،

۱۔ از گلِ غربت زماں گم کردہٗ (رموز)

آپ کا ارشاد اس مصرعہ پر یہ تھا کہ "از گل" بمعنی بدولت اچھے معنوں میں آتا ہے، برُے معنوں میں نہیں آتا، بہارِ عجم میں زیر لفظ "گل" یہ محاورہ بھی دیا ہے اور اشعار بھی دیئے ہیں،

زیر دستِ چرخ بودن از گل بے فطرتی ست الخ

۲۔ محفلِ رنگین بیک ساغر کند (رموز)

نہ ہفتاد و دو ملّت گردشِ چشمِ تو می سازد
بیک پیمانہ رنگین کردۂ یک شہرِ محفلہا (ناصر علی)

۳- "سرمۂ او دیدۂ مردم شکست" (رموز)

چشم و گوش شکستن، یعنی نابینا شدن (بہارِ عجم)
ترسم ز گریہ چشمِ گہربار بشکند الخ

۴- عشق را داغے مثالِ لالہ بس
در گریبانش گلِ یک نالہ بس
(رموز)

گلِ نالہ پر آپ کا ارشاد تھا۔
چنگے بتارِ نغمۂ قانونِ شیر زن
گلبرگِ نالۂ بگریبانِ دل فشاں
(زلالی)

۵ ۔ ز آسمان آبگوں یم می چکد
من ز جو باریک تر می سازمش الخ
(رموز)

لفظ "باریک" پر آپ کا ارشاد تھا کہ صحیح نہیں، باریک بمعنی کم در عرض و عمق بھی آیا ہے،
نازک تر است از رگِ جاں گفتگوئے من
باریک شد محیط چو آمد بجوئے من
(صائب)

از تواضع می تواں مغلوب کردن خصم را
می شود باریک چو سیلاب از پل بگذرد

۶ - کور ذوق داستانہا ساختند، الخ (رموز)

چہ غم زیں عروسِ سخن راہ بتر
کہ بر کور ذوقاں شود جلوہ گر
(ظہوری)

کور ذوقاں ز فیضِ تربیت   چوں مسیحا مزا جدانِ سخن

(ملّا طغرا)

۷ - نوا بالیدن، تا نوائے یک اذاں بالیدہ است   (رموز)

تا چند ببالد نفس اندوو نوایم   (بیدل)

۸ - بحر تلخ رو،   بُود بحرِ تلخ رو یک سادہ دشت   (رموز)

تلخ رو بحر کی صفات میں آتا ہے،   (بہارِ عجم)

۹ - نعرہ زد شیرے از دامانِ دشت   (رموز)

منجملہ اور ارشادات کے ایک یہ ارشاد تھا کہ لفظ نعرہ شیر کے لیے ٹھیک نہیں،
بہارِ عجم میں ایک شعر دیا ہے جس میں نعرۂ اسپ لکھا ہے۔

بابر ماند چوپے پرنہادو نعرہ کشاد   (معز فطرت)

۱۰ - سازِ برق آہنگ او ننواختہ (رموز) آپ کا ارشاد تھا کہ سازِ برق صحیح نہیں،
لیکن مصرع میں ساز کی صفت برق آہنگ ہے اور برق آہنگ ساز کی صفت آتی ہے،
(بہارِ عجم زیر لفظ ساز)

۱۱ - ہم چو صبحِ آفتاب اندر قفس (رموز) آپ کا ارشاد تھا کہ صبح کے لیے آفتاب کی
کیا ضرورت ہے، یہ ترکیب مرزا بیدل کی ہے، مَیں نے اس کے لیے محل استعمال
نیا پیدا کیا ہے۔ یعنی کعبۃ اللہ کے گرداگرد جب ملّت بیضا نماز پڑھتی ہے یا طواف کرتی
تو یہ نظارہ صبح آفتاب در قفس سے مشابہ ہے۔

ملّتِ بیضا بہ طوفش ہم نفس   ہم چو صبحِ آفتاب اندر قفس

۱۲ - اے بصیری را ردا بخشندہٗ   (رموز)

بُصیری کے متعلق بھی یہی واقعہ مشہور ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ حضوؐر نے

بصیریؒ کو جو جذام میں مبتلا تھا اپنی چادرِ مطہر خواب میں عطا فرمائی تھی جس کے اثر سے اُس نے جذام سے نجات پائی، بعض لوگوں میں قصیدۂ بصیریؒ قصیدہ بردہ کے نام سے مشہور ہے،

۱۳ - من شبے صدیقؓ را دیدم بخواب گل زخاکِ راہ او چیدم بخواب

دوسرے مصرع پر آپ کا ارشاد تھا کہ مطلب زیادہ واضح ہونا چاہیے۔ اور گل زخاکِ راہ او چیدم کیا مطلب؟ یہ واقعہ خواب کا ہے، جو خواب میں دیکھا گیا، بقیہ اسی طرح نظم کر دیا گیا۔

۱۴ - با زبانت کلمۂ توحید خواند، لفظ کلمہ کے متعلق بھی لکھوں گا، افسوس ہے کہ "ابطالِ ضرورت" دستیاب نہیں ہوئی، مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس رسالہ میں اس لفظ پر بحث ہے، بہت سے الفاظ جن کو اساتذہ نے بتحریک و بسکون دونوں طرح استعمال کیا ہے، انہوں نے کمی کر دی ہے۔ مثلاً ربِ ارنی، رمضان، حرکتِ متوازی و قران وغیرہ اس کا بسکون استعمال ہونا یقینی ہے۔ اسناد انشاء اللہ عرض کروں گا، جواہر الترکیب میں چار دفعہ بسکونِ لام آیا ہے۔

۱۵ - فرد و قوم آئینۂ یک دیگر اند ہم خیال و ہم نشین و ہمسر اند

(رموز)

لفظ ہم خیال کی نسبت آپ کو شبہ تھا،

یاد ایامیکہ باہم آشنا بودیم ما ہم خیال و ہم صفیر و ہم نوا بودیم ما

لیکن میں نے یہ لفظ شعر سے نکال دیا ہے۔

۱۶ - بائے بسم اللہ (حضرت علیؓ کے لیے) قاآنی نے لکھا ہے، اور میم مروت مولانا جامی نے تحفۃ الاحرار میں لکھا ہے، میں نے "میمِ مرگ" لکھا تھا۔

۱۷۔ قوامی کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے، قاعدہ یہی ہے جو آپ تحریر فرماتے ہیں، مولانا رُوم اِن باتوں کی پروا نہیں کرتے، ظہوری کے دو شعر جو زیر نظر تھے عرض کرتا ہُوں :-

گلِ شو قم از آب و گل بر دمد | بر قاصی از سینۂ دل جہد
چو از چشمِ جادو بجادو رود | با عجاز پہلو بہ پہلو زند

دوسرا شعر کسی قدر مشتبہ ہے، کوئی اور ایڈیشن ساقی نامہ کی دستیاب نہیں ہوئی ورنہ مقابلہ کرتا، بہر حال قاعدہ کی خلاف ورزی کئے بغیر اگر شعر لکھا جا سکتا ہو تو قاعدہ توڑنے کی کیا ضرورت ہے، انشاء اللہ اِن قوافی پر نظر ڈالا کروں گا۔

۱۸۔ ورثہ، دورہ، خیال وغیرہ کے متعلق آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے لیکن ان الفاظ کے متعلق پھر بھی کچھ عرض کروں گا۔

۱۹۔ شاہ رمز آگاہ شد محوِ نماز | خیمہ بر زد از حقیقت در مجاز
نعرۂ زد شیرے از دامانِ دشت | دشت دور از ہیبتش لرزندہ گشت

اِن اشعار کے متعلق جو کچھ آپ کا ارشاد ہے، اس سے مولوی اصغر علی روحی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور اتفاق نہیں کرتے۔ لیکن فی الحال ان پیش کردہ اسناد سے مجھے تسکین نہیں ہوئی۔ دو چار روز تک نتیجہ عرض کروں گا، ان اسناد کو ملاحظہ فرمائیے اور بتلائیے کہ کونسی صحیح اور کونسی غلط ہے۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

آپ کا مخلص

محمد اقبال، لاہور

۱۲

لاہور

۲؍دسمبر ۱۹۱۸ء

مخدومی، السّلام علیکم

والا نامہ مل گیا ہے، حالات معلوم ہونے پر طبیعت بہت متأثر ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کو اطمینانِ قلب عطا فرمائے۔ آپ کا یہ فقرہ کہ "میرے ساتھ خدا کا معاملہ عجیب ہے" گویا تمام ملّتِ مرحومہ کے احساسات کا ترجمان ہے۔ جو قوم ایک مشن لے کر پیدا ہوئی ہے اُس کی روحانی تربیت کے لیے ابتلا کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ایک انگریزی مصنّف جسے ابتلا کے دُوررس نتائج کا تجربہ ہو چکا تھا لکھتا ہے کہ "دکھ دیوتاؤں کی ایک رحمتِ عظیم ہے، تاکہ انسان زندگی کے ہر پہلو کا مشاہدہ کر سکے" آپ امتِ محمدیہ کے خاص افراد میں سے ہیں، اور اس مامور من اللہ قوم کے خاص افراد کو ہی امرِ الٰہی ودیعت کیا گیا ہے۔ فرقۂ یاسیہ کو چھوڑ کر فرقۂ رجائیہ میں آجائیے، جس حقیقت کو آپ زیر پردہ دیکھ چکے ہیں اُس کی بے نقابی کا زمانہ قریب ہے۔ انشاء اللہ

"زمانہ باز بیفروخت آتشِ نمرود
کہ بے نقاب شود جوہر مسلمانی"

شخصی اعتبار سے مجھے آپ کے ساتھ حد درجہ ہمدردی ہے یقین جانئے کہ آپ کے الفاظ نے میرے دل پر سوز و گداز کی کیفیت طاری کر دی اور میں دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آلام و مصائب میں استقامت عطا فرمائے۔

ہاں ترجمہ کی داد دیتا ہوں، لٹریری اغراض کے لیے یہ ترجمہ نہایت عمدہ ہے۔ میرے خیال میں اس سے بہتر الفاظ نہ مل سکیں گے۔ البتہ فلسفیانہ اغراض کے لیے

شاید اور الفاظ وضع کئے جائیں تو بہتر ہوگا۔

پنجاب میں بھی بیماری نے غضب ڈھایا، لاہور میں تو چند روز یہ حالت رہی کہ گورکن بھی نہ مل سکتے تھے، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۱۳

لاہور

۲۳/مارچ ۱۹۱۹ء

مخدومی، السّلام علیکم

ایک عرصہ سے آپ کی خیریت معلوم نہیں ہوئی۔

معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر نقل کیا ہے۔ کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالطہ سے کونسی تاریخ کو لکھا گیا تھا؟ صاحب مضمون نے خط کی تاریخ نہیں بتائی، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص، محمد اقبال

۱۴

لاہور

۳/اپریل ۱۹۱۹ء

مخدومی، السّلام علیکم

والانامہ ملا جس کے لیے سراپا سپاس ہوں، الحمدللہ کہ مولانا آزاد کو آزادی ملی،

کیفِ باطن میں بالخصوص آج کل "صحو" ہی کی ضرورت ہے۔ نبی کریمؐ نے صحابہؓ کی تربیت اسی حال میں کی تھی۔ "سُکر" کی حالت عمل کی دشوار گذار منزل کو طے کر لینے کے بعد ہو تو مفید ہے۔ باقی حالات میں اس کا اثر رُوح پر ایسا ہی ہے جیسا جسم پر افیون کا۔ مولانا آزاد اب کہاں ہیں۔ پتہ لکھئے کہ اُن کی خدمت میں عریضہ لکھوں۔

میری خامیوں سے مجھے ضرور آگاہ کیا کیجئے، آپ کو زحمت تو ہوگی لیکن مجھے فائدہ ہوگا۔ "بادۂ نارسا" کے لیے مجھے کوئی سند یاد نہیں، بادۂ نارس یا میوۂ نارس (بمعنی خام) لکھتے ہیں، لفظ مینار غلط ہے۔ صحیح لفظ منار (بغیری کے ہے) یہ الفاظ اُس زمانہ کی نظموں میں واقع ہوئے ہیں جس زمانہ میں مَیں سمجھتا تھا کہ لٹریچر میں ہر طرح کی آزادی لے سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض نظموں میں مَیں نے اصول بحر کا بھی خیال نہیں کیا اور ارادۃً۔

مجموعہ اب تک مرتب نہ ہو سکنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب ان تمام نظموں پر نظرِ ثانی کرنا چاہتا ہوں جس کے لیے فرصت نہیں ملتی، انشاء اللہ بعد از نظرِ ثانی شائع کروں گا۔ اگرچہ مقصود اس شعر گوئی کا نہ شاعری ہے نہ زبان۔ مولانا گرامی جالندھری (شاعر حضور نظام) نے ایک غزل لکھ کر ڈاک میں ارسال کی ہے، جس کے اشعار عرض کرتا ہوں، پسند ہوں تو معارف میں شائع کیجئے۔

پنہانم و پیدایم کیفم بشراب اندر
پیدایم و پنہانم داغم بکباب اندر

دیباچۂ بود م ہیچ، انگیزِ وجود م ہیچ
مضمونِ خیالم من پیچیدہ بخواب اندر

آں نکتہ کہ عارف را آورد بوجد این است
جاں ہست بجسم اندر دریا بہ حباب اندر

از موسیِ من می پرس از غیر چہ می پرسی
شوقم بسوال اندر ذوقم بجواب اندر

رمزیست حکیمانہ می خوانم و می رقصم
خوابست بمرگ اندر مرگ ست بخواب اندر

در کشمکشِ لائیم در جذبۂ الائیم
ہیچیم و ہمہ مائیم چوں عکس بآب اندر

دیدیم گرامی را در خلد بریں امشب
ابلہ بہ بہشت اندر، دانا بعذاب اندر

مخلص محمد اقبال، لاہور

۱۵

لاہور

۲۶/ اگست ۱۹۱۹ء

مخدومی، السّلام علیکم

معارف میں ابھی تصوف و تناسخ پر ایک مضمون نظر سے گذرا، ہندوستان ریویو میں بھی مَیں نے یہ مضمون دیکھا تھا، خیر علمی اعتبار سے تو اس کی وقعت کچھ بھی نہیں، البتہ ایک بات آپ سے دریافت طلب ہے "ہم چو سبزہ بار ہا روئیدہ ام" الخ کی نسبت آپ نے لکھا ہے کہ یہ مولانا کا شعر ہے، مجھے ایک عرصہ سے اس میں تامل ہے۔ مثنوی کبھی شروع سے لے کر آخر تک پڑھنے کا اتفاق نہیں ہُوا۔ مگر ایک قابلِ اعتبار بزرگ

نے قریباً چار سال ہوئے، مجھ سے کہا تھا کہ یہ شعر مولانا کا نہیں ہے اور نہ مثنوی میں ہے، اگر مثنوی کے کسی ایڈیشن میں آپ کی نظر سے یہ شعر گذرا ہو تو مہربانی کر کے ایڈیشن اور صفحہ کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیے، زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال، لاہور

۱۶

لاہور

۱۷ر ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم

والانامہ کئی دنوں سے آیا رکھا ہے، مگر میں لاہور میں نہ تھا اس واسطے جواب میں تاخیر ہوئی معاف فرمائیے گا۔

یہ شعر گلشن راز کا نہیں ہو سکتا، اس کی بحر اور ہے۔ ؏

"یقین داند کہ ہستی جز یکے نیست"

انشاءاللہ معارف کے لیے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔ کئی ماہ کے بعد صرف تین شعر لکھے تھے، نقیب کا عرصہ سے تقاضا تھا، اُس کے لیے بھیج دیئے۔

مَیں تو اپنے اشعار کو چنداں وقعت نہیں دیتا، لیکن جب ایڈیٹر معارف ان کے لیے تقاضا کرتے ہیں تو شبہ ہوتا ہے کہ شاید ایسا ہی کچھ ہو۔

حیدر آباد کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں، افواہاً میں نے کئی دفعہ سُنا ہے کہ وہاں اقبال کا تذکرہ ہے، اگر مجھ تک کبھی کوئی باقاعدہ اطلاع نہیں آئی نہ میں نے خود کوئی درخواست آج تک

کی ۔

مخلص،

اقبال، لاہور

۱۷

لاہور

۲۷ ستمبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

دوسرے صفحہ پر چند اشعار معارف کے لیے لکھتا ہوں، مدت سے یہ بات میرے دل میں کھٹک رہی تھی۔ گذشتہ رات زکام کی وجہ سے سو نہ سکا، یہ تاثر ایک چھوٹی سی تضمین کی صورت میں منتقل ہوگیا۔ دردِ سر نے زیادہ شعر نہ لکھنے دیئے، اور نہ طبیعت پر زیادہ زور دے سکا معلوم نہیں آپ کا اس بارہ میں کیا خیال ہے۔ واقعات صاف اور نمایاں ہیں، مگر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمان نہیں سمجھتے اور لندن کے شیعوں کے اشارہ پر ناچتے چلے جاتے ہیں۔ افسوس مفصل عرض نہیں کرسکتا، کہ زمانہ نازک ہے، بہر حال اگر یہ اشعار آپ کو پسند نہ ہوں، یا رسالہ معارف کے لیے آپ انہیں موزوں نہ تصور فرمائیں تو واپس بھیج دیجئے۔

مسئلہ تصویر پر آپ نے خوب لکھا اور اصول تشریعی واضح کرکے کئی اور مسائل کو بالکنایہ حل کردیا۔ للہ درک۔

اس خط کو پرائیویٹ تصوّر فرمائیے۔

بہت آزمایا ہے غیروں کو تُو نے مگر آج ہے وقتِ خویش آزمائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہُو سے مسلمان کو ہے ننگ وہ پادشائی

"مرا از شکستن چنیں عار ناید

کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

عنوان اِن اشعار کا آپ خود تجویز کرلیں۔ اصل فارسی شعر میں "دیگراں" کی جگہ "ناکساں" ہے۔ مَیں نے یہ لفظی تغیر ارادۃً کیا ہے۔

مخلص محمد اقبال

۱۸

لاہور

۱۰؍اکتوبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السّلام علیکم

نوازش نامہ ملا۔ عنوان جو آپ نے تجویز فرمایا ہے ٹھیک ہے۔ تبصرہ کے متعلق مَیں بھی یہی مشورہ دوں گا کہ میرا مجموعہ شائع ہولے تو لکھیے، فی الحال میں ایک مغربی شاعر کے دیوان کا جواب لکھ رہا ہُوں جس کا قریباً نصف حصّہ لکھا جا چکا ہے، کچھ نظمیں فارسی میں ہوں گی کچھ اُردو میں، کلام کا بہت سا حصّہ نظرِ ثانی کا محتاج ہے، لیکن اور مشاغل اتنی فرصت نہیں چھوڑتے کہ ادھر توجہ کرسکوں، تاہم جو کچھ ممکن ہے کرتا ہُوں، شاعری میں لٹریچر بحیثیت لٹریچر کے کبھی میرا مطمع نظر نہیں رہا کہ فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت نہیں، مقصود صرف یہ ہے کہ خیالات میں انقلاب پیدا ہو۔ اور بس، اس بات کو مدِنظر رکھ کر جن خیالات کو مفید سمجھتا ہُوں اُن کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہُوں، کیا عجب کہ آئندہ نسلیں مجھے شاعر تصوّر نہ کریں، اس واسطے کہ آرٹ (فن) غایت درجہ کی جانکاہی چاہتا ہے، جرمنی کے دو بڑے شاعر ہیر سٹر تھے یعنی گوئٹے اور اوہلنڈ گوئٹے تھوڑے دن پریکٹس کے بعد ویمر کی ریاست کا تعلیمی مشیر بن گیا اور اس طرح

فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کا اُسے پُورا موقع مل گیا، اوہلنڈ تمام عمر مقدمات پر بحث کرتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ بہت تھوڑی نظمیں لکھ سکا اور وہ کمال پورے طور پر نشوونمانہ پا سکا جو اس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا، غرض یہ کہ موجودہ حالات میں میرے افکار اس قابل نہیں کہ ان کی تنقید کے لیے سید سلیمان کا دل ودماغ صرف ہو لیکن اگر احباب تبصرہ پر مصر ہیں تو یہی بہتر ہے کہ مجموعہ کا انتظار کیا جائے، اس کے علاوہ میں اپنے دل ودماغ کی سرگذشت بھی مختصر طور پر لکھنا چاہتا ہوں، اور یہ سرگذشت کلام پر روشنی ڈالنے کے لیے نہایت ضروری ہے، مجھے یقین ہے کہ جو خیالات اس وقت میرے کلام اور افکار کے متعلق لوگوں کے دلوں میں ہیں اس تحریر سے ان میں بہت انقلاب پیدا ہوگا۔

کاش "یاجوج ماجوج" پر آپ کوئی مضمون لکھتے، یہ امر تحقیق کا محتاج ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص، محمد اقبال

۱۹

لاہور

۱۰ر نومبر ۱۹۱۹ء

مخدومی، السلام علیکم

کئی دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مؤکلین وکلاء کے پاس جب مقدمات کی پیشی کے لیے آتے ہیں، تو ان میں سے بعض پھل، پھول یا مٹھائی کی صورت میں ہدیہ لے آتے ہیں، یہ ہدایا فیس مقررہ کے علاوہ ہوتے ہیں، اور وہ لوگ اپنی خوشی سے لاتے ہیں، کیا یہ مال مسلمان کے لیے حلال ہے؟

مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گذرا ہوگا، بہت دلچسپ کتاب ہے، مگر دیباچہ میں مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں کہ "اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال ہی کی آوازِ بازگشت ہیں"، شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کئے ہیں ان کو برابر ۱۹۰۷ء سے ظاہر کر رہا ہوں، اس کے شواہد میری مطبوعہ تحریریں نظم و نثر و انگریزی اردو موجود ہیں، جو غالباً مولوی صاحب کے پیشِ نظر نہ تھیں، بہر حال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ انہوں نے ایسا لکھا، مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ نام آوری۔ البتہ اس بات سے مجھے رنج ہوا کہ ان کے خیال میں اقبال تحریکِ الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا، تحریک الہلال نے اُسے مسلمان کیا۔ ان کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے، ممکن ہے ان کا مقصود یہ نہ ہو۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی، مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اقبال کے جو مذہبی خیالات اس سے پہلے سُنے گئے اُن میں اور مثنویوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے"۔ معلوم نہیں انہوں نے کیا سُنا تھا، اور سنی سنائی بات پر اعتبار کر کے ایسا جملہ لکھنا جس کے کئی معنی ہو سکتے ہوں کسی طرح ان لوگوں کے شایانِ شان نہیں جو اصلاح کے علمبردار ہوں۔ مجھے معلوم نہیں مولوی فضل الدین صاحب کہاں ہیں ورنہ یہ مؤخر الذکر شکایت براہِ راست اُن سے کرتا، اگر آپ سے اُن کی ملاقات ہو تو میری شکایت اُن تک پہنچا دیجیے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

آپ کا خادم

محمد اقبال، لاہور

۲۰

لاہور

۱۰ راکتوبر ۱۹۲۰ء

مخدومی، السلام علیکم

مراجعت مع الخیر مبارک

آپ نے بڑا کام کیا ہے، جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گذاری کی صورت میں مل رہا ہے۔ اور دربارِ نبوی سے نہ معلوم کس صورت میں عطا ہوگا۔ وزرائے انگلستان کا جواب وہی ہے جو ان حالات میں ہمیشہ دیا گیا ہے۔

"انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عٰبدون"

تاہم مجھے یقین ہے کہ ہندی وفد کا سفر یورپ بڑے اہم نتائج پیدا کرے گا۔

امید کہ آپ کی صحت اچھی ہوگی۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

۲۱

لاہور

۲۳ ردسمبر ۱۹۲۰ء

مخدومی، السلام علیکم

سیرۃ عائشہ رضؓ کے لیے سراپاس ہوں۔ یہ ہدیۂ سلیمانی نہیں سرمۂ سلیمانی ہے، اس کتاب کو پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا، خداتعالیٰ جزائے خیر دے۔

یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ "حمیرا" والی سب احادیث موضوعات میں ہیں۔ "کلمینی یا حمیرا" بھی موضوع ہے؟ کمال کا شعر کیا مزے کا ہے۔

این تصرف ہائے من در شعرِ من
کلیمنی یا حمیرائے من است

زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

۲۲

لاہور

۵ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

مخدومی، تسلیم

ستمبر کا معارف ابھی نظر سے گذرا ہے، اس میں مسٹر ڈکنسن کے ریویو (اسرارِ خودی) کا ترجمہ آپ نے شائع کیا ہے۔ ترجمۂ مذکور کا ایک فقرہ یہ ہے "اقبال ان تمام فلسفوں کے دشمن ہیں جو شئے واجب الوجود کو تسلیم کرتے ہیں" صفحہ ۲۱۴

اگر آپ کے پاس رسالہ نیشن (NATION) موجود ہو جس میں انگریزی ریویو شائع ہوا تھا، تو میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ مہربانی کر کے ایک آدھ روز کے لیے بھیج دیجئے۔ مجھے ایسا خیال ہے کہ غالباً مذکورہ بالا فقرہ اس ریویو میں نہیں ہے، یا اس کی جگہ کچھ اور ہے۔ مقصود یہ معلوم کرنا ہے کہ کہیں ترجمہ میں سہو تو نہیں ہوگیا۔ کیا حکمائے صوفیۂ اسلام میں سے کسی نے زمان و مکان کی حقیقت پر بھی بحث کی ہے؟ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

مولوی عبدالماجد صاحب کا پتہ معلوم نہ تھا اس واسطے آپ کو زحمت دی گئی۔

محمد اقبال

۲۳

مخدومی، السلام علیکم

پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ کیا کتب خانہ بانکی پور سے کتاب عاریتہً مل سکتی ہے؟ میں اس کتاب کے دیکھنے کا مدت سے خواہشمند ہوں۔ انگلستان اور یورپ میں تو کتابیں عاریتہً مل سکتی ہیں۔ معلوم نہیں اس لائبریری کا کیا قاعدہ ہے۔ شاید پنجاب یونیورسٹی کے معرفت لکھنے سے مل جائے۔ غالباً قلمی نسخہ ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۲۸ر نومبر ۱۹۲۱ء

۲۴

لاہور

۲۰ر اپریل ۱۹۲۲ء

مخدومی، السلام علیکم

ایک عرصہ سے آپ کو خط لکھنے کا قصد کر رہا تھا۔ دو باتیں دریافت طلب ہیں۔

۱۔ متکلمین میں سے بعض نے علم مناظر و مرایا کے رو سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رویت ممکن ہے۔ یہ بحث کہاں ملے گی۔ میں اس مضمون کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

۲۔ مرزا غالب کے اس شعر کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے۔

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود　　رحمۃً للعالمینے ہم بود

حال کے ہیئت داں کہتے ہیں کہ بعض سیاروں میں انسان یا انسانوں سے اعلیٰ تر مخلوق

کی آبادی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہو تو رحمۃ للعلمین کا ظہور وہاں بھی ضروری ہے۔ اس صورت میں کم از کم محمدیت کے لیے تناسخ یا بُروز لازم آتا ہے۔ شیخ اشراق تناسخ کے ایک شکل میں قائل تھے ان عقیدہ کی وجہ یہی تو نہ تھی۔؟

مَیں نقرس کی وجہ سے دو ماہ کے قریب صاحبِ فراش رہا۔ اب کچھ افاقہ ہُوا ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال لاہور

۲۵

لاہور

۲۹ مئی ۱۹۲۲ء

عید مبارک باشد،

مخدومی، السلام علیکم

مَیں آپ کو خط لکھنے والا تھا کہ مفتی عالم جان کے حالات معارف میں شائع کئے جائیں، مسلم اسٹنڈرڈ لندن نے ان کے کچھ حالات شائع کئے تھے۔ آج کے معارف میں میری آرزو سے بڑھ کر مضمون لکھا گیا، جزاک اللہ۔ معارف کا ایڈیٹر صاحبِ کشف نہ ہوگا تو اور کون ہوگا۔ حال کے رُوسی علماء کے بعض تصانیف اسلام کے متعلق اگر دستیاب ہو جائیں تو ان کا ترجمہ ہندوستان میں شائع ہونا چاہیئے۔

خضرِ راہ کے متعلق جو نوٹ آپ نے لکھا اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔

جوشِ بیان کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا صحیح ہے، مگر یہ نقص اُس نظم کے لیے ضروری

تھا (کم از کم میرے خیال میں) جناب خضر کی پختہ کاری، ان کا تجربہ اور واقعات و حوادث عالم پر اُن کی نظر ان سب باتوں کے علاوہ ان کا اندازِ طبیعت جو سورۂ کہف سے معلوم ہوتا ہے اس بات کا مقتضی تھا کہ جوش اور تخیل کو ان کے ارشادات میں کم دخل ہو، اس نظم کے بعض بند میں نے خود نکال دیئے، اور محض اس سے کہ ان کا جوشِ بیان بہت بڑھا ہوا تھا اور جناب خضر کے اندازِ طبیعت سے موافقت نہ رکھتا تھا، یہ بند اب کسی اور نظم کا حصہ بن جائیں گے۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

۲۶

لاہور

۵ر جولائی ۱۹۲۲ء

مخدومی، السّلام علیکم

پیامِ مشرق پر جو نوٹ آپ نے معارف میں لکھا ہے، اُس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔ پروفیسر نکلسن کا خط بھی آیا ہے انہوں نے اسے بہت پسند کیا ہے، اور غالباً اس کا ترجمہ بھی کریں گے، وہ لکھتے ہیں کہ یہ کتاب جدید اور بخبل خیالات سے مملو ہے اور گوئٹے کے دیوانِ مغربی کا قابلِ تحسین جواب ہے۔ مگر میرے لیے آپ کی رائے پروفیسر نکلسن کی رائے سے زیادہ قابلِ افتخار ہے۔

سید نجیب اشرف صاحب نے اپنے مضمون میں محمد دارال کے لطیفہ غیبیہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ چھوٹی سی کتاب ہے اور میں نے ایران سے منگوائی ہے۔ اگر وہ یا آپ اُسے دیکھنا چاہیں تو بھیج دوں۔ ندوے والے اُسے دیکھیں گے تو کوئی نہ کوئی بات پیدا کریں گے۔

—

اب کے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ پر آپ سے ملنے کی توقع تھی۔ میں اسی خیال سے جلسہ میں گیا کہ آپ کو اپنے ہاں مہمان کرنے کے لیے لیتا آؤں گا۔ مگر جلسہ میں جاکر مایوسی ہوئی، انشاء اللہ پھر کوئی موقع پیدا ہوگا۔ کیا تفہیمات الٰہیہ چھپ گئی ہے؟

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۲۷

شملہ، نو بہار

۳ر اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی، السّلام علیکم

مَیں کچھ دنوں کے لیے شملہ میں قیام پذیر ہُوں، نقرس کے دَورہ کی وجہ سے صحت اچھّی نہیں رہی۔

" مردانِ خدا خدا نباشند لیکن ز خُدا جُدا نباشد

کس کا شعر ہے؟ ایک امر کے لیے اس کی تحقیق ضروری ہے۔ ممکن ہے آپ کی نظر سے کسی تذکرہ میں یہ شعر گذرا ہو۔ عام طور پر مشہور ہے۔ مَیں چند روز اور شملہ میں ہوُں، اگر آپ جلد جواب دیں تو مندرجہ بالا پتے پر خط لکھیں۔ اور اگر کچھ دنوں کے بعد خط لکھنا ہو تو لاہور کے پتہ پر تحریر فرمائیں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر لاہور

۲۸

لاہور

۲۲ / اگست ۱۹۲۲ء

مخدومی، جناب مولینا، السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے بہت شکر گذار ہوں، جتنی آگاہی آپ نے دے دی ہے وہ اگر زمانہ فرصت دے تو باقی عمر کے لیے کافی ہے۔

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ تحقیقِ زمان مطبوعہ ہے؟ اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریتہً ملے گا؟ علیٰ ہذا القیاس۔ مولانا شاہ اسمٰعیل شہید کی 'عبقات'، قاضی محب اللہ کے جوہر الفرد، اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی؟

زمان و مکان و حرکت کہ بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے۔ میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا۔

میرے لکچر آکسفورڈ یونیورسٹی چھاپ رہی ہے، اُردو ترجمہ نیازی صاحب نے ختم کر لیا ہے، اس کی طباعت بھی عنقریب شروع ہوگی۔

جن کتابوں کا آپ نے اپنے والا نامے میں ذکر فرمایا ہے کیا آپ کے کتب خانۂ دار المصنفین میں موجود ہیں؟ اگر ہوں تو میں چند روز کے لیے وہیں حاضر ہو جاؤں اور آپ کی مدد سے اُن میں سے بعض کو دیکھ سکوں۔

پنجاب یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ان میں سے بعض موجود ہیں مگر سب نہیں۔ اس

کے علاوہ یہاں علمی شغف رکھنے والے علما بھی موجود نہیں ہیں جن سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا جائے، فی الحال میں مولوی نورالحق صاحب کی مدد سے مباحثِ مشرقیہ دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد شرحِ مواقف دیکھنے کا قصد ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، جو زحمت مَیں کبھی آپ کو دیتا ہوں، اُس کے لیے معاف فرمادیا کریں۔ حضرت ابنِ عربی کے بحثِ زمان کا ملخص اگر عطا ہو جائے تو بہت عنایت ہوگی۔ آپ کے ملخص کی روشنی میں کتاب مَیں خود پڑھوں گا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

۲۹

لاہور

۲۳ر جنوری ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم

رسالہ ذخیرۃ الدینیہ، جاوا سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ آپ کی خدمت میں بھی پہنچا ہوگا، ایڈیٹر واقف کار معلوم ہوتا ہے، اور مضامین اچھے لکھتا ہے۔ ہر مہینہ احادیثِ نبوی کے متعلق کچھ نہ کچھ اس میں ضرور ہوتا ہے، گذشتہ ماہ کے پرچہ میں وہ لکھتے ہیں کہ حدیث "خلیلی فی ہذہ الامتہ اویس القرنی" موضوع ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک اویس کا کوئی تاریخی وجود ہی نہیں ہے۔ آپ حضرت اویس اور ان تمام صوفی روایات کے متعلق جو ان سے منسوب ہیں کیا خیال رکھتے ہیں؟ اگر حضرت امام مالک کی تحقیق زیرِ نظر ہو تو ازراہ عنایت حوالے سے آگاہ فرمائیے گا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۳۰

لاہور

یکم فروری ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم

نوازش نامہ معلومات سے لبریز ہے۔ نہایت شکر گذار ہوں۔

مَیں نے چند نظمیں فارسی میں لکھی تھیں جو پیامِ مشرق کی دوسری ایڈیشن میں شامل کر دی گئیں۔ انہیں نظموں میں سے ایک آپ کی خدمت میں ارسال کی گئی۔ ایک جامعہ ملیہ علی گڈھ کے لیے اور ایک علی گڈھ منتھلی کے لیے بھیجی گئی۔ اور کسی جگہ کوئی نظم میں نے نہیں بھیجی۔ معارف مجھے خاص طور پر محبوب ہے، اور بالخصوص آپ کے مضامین کے لیے کہ آپ کی نثر معانی سے معمور ہونے کے علاوہ لٹریری خوبیوں سے بھی مالامال ہوتی ہے۔

مولینا گرامی کی غزل میں سُن چکا ہوں، اس کا ایک شعر مجھے خاص طور پر پسند آیا۔

فقر را تر کمانئے ہم ہست

اِس شعر پر میں نے تضمین بھی کی تھی، مگر پیامِ مشرق میں اس واسطے داخل نہ کی کہ اس کے اشعار کی بندش کچھ بھی پسند نہ آئی۔ اگر آپ کو پسند ہو تو مجھے اشاعت میں کوئی عذر نہیں، عرض کرتا ہوں۔

سخنے رانده که جز قرشی　　　به سرِ مسندِ نبی نه نشست
درس گیر از گرامیٔ همه درد　　　که بریده از خود و با وِ پیوست
رمز ترکِ خلافتِ عربی　　　گفت آں می گسار بزم الست
ماه را بر فلک دو نیم کند
فقر را تر کمانئے هم هست

لفظ نشانی کلاسکل فارسی میں تو آتا ہے، جدید فارسی کا حال مجھے معلوم نہیں،
بہارِ عجم ملاحظہ فرمائیے۔

مسلمانوں نے منطق استقرائی پر جو کچھ لکھا ہے اور جو جو اضافے انہوں نے یونانیوں کی منطق پر کئے ہیں اس کے متعلق مَیں کچھ تحقیق کر رہا ہُوں۔

میں آپ کا نہایت شکر گذار ہوں گا اگر آپ از راہ عنایت اپنی وسیع معلومات سے مجھے مستفیض فرمائیں۔ کم از کم کتابوں کے نام تحریر فرمائیے جن کو پڑھنا ضروری ہے۔ جرمن زبان میں کچھ مسالہ اس کے لیے ہے اور چند کتابیں اسلامی حکماء پر حال ہی میں شائع ہوئی ہیں۔ جو مَیں نے پنجاب یونیورسٹی کے لیے خرید لی تھیں۔ عربی و فارسی کتب سے آپ آگاہ فرمائیں، مگر کتابیں ایسی ہوں جو دستیاب ہو سکتی ہوں۔ اُن کے ناموں پر نشان کر دیجیے گا۔ قیاس پر اعتراض غالباً سب سے پہلے امام رازی نے کیا تھا، امام غزالی، ابنِ تیمیہ اور شاید شیخ سہروردی مقتول نے بھی اس مضمون پر لکھا ہے۔ مؤخر الذکر کی تحقیق زمانۂ حال کے خیالات کے بہت قریب ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمد اقبال

۳۱

لاہور

یکم مئی ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم

کیا روسی مسلمانوں میں بھی ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی کے حالات کی اشاعت ہُوئی تھی؟ اس کے متعلق آگاہی کی ضرورت ہے۔ مفتی عالم جان جن کا حال میں انتقال ہو گیا

ہے ان کی تحریک کی اصل غایت کیا تھی؟ کیا یہ محض تعلیمی تحریک تھی یا اس کا مقصود ایک مذہبی انقلاب بھی تھا؟

تکلیف دہی کے لیے معافی چاہتا ہوں، اور یہ بھی التماس کرتا ہوں کہ اس عریضہ کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیا جائے۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال، بیرسٹر، لاہور

۳۲

لاہور

۱۴ر مئی ۱۹۲۴ء

مخدومی، السّلام علیکم

والا نامہ ملا، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

رویتِ باری کے متعلق جو استفسار مَیں نے آپ سے کیا تھا اس کا مقصود فلسفیانہ تحقیقات نہ تھی، خیال تھا کہ شاید اس بحث میں کوئی بات ایسی نکل آئے جس سے آئن سٹائن کے انقلاب انگیز نظریۂ نور پر کچھ روشنی پڑے۔ اس خیال کو ابن رشد کے ایک رسالہ سے تقویت ہوئی جس میں انہوں نے ابو المعالی کے رسالہ سے ایک فقرہ اقتباس کیا ہے۔ ابو المعالی کا خیال آئن سٹائن سے بہت ملتا جلتا ہے، گو مقدم الذکر کے ہاں یہ بات محض ایک قیاس ہے اور موخر الذکر نے اُسے علمِ ریاضی کی رُو سے ثابت کر دیا ہے۔

اگرچہ یورپ نے مجھے بدعت کا چسکا ڈال دیا ہے تاہم مسلک میرا وہی ہے جو قرآن کا ہے اور جس کو آپ نے آیت شریفہ کے حوالے سے بیان فرمایا ہے۔ خلافت پر جو مضامین آپ نے لکھے نہایت قابلِ قدر ہیں۔ ان سب کو ایک علیحدہ رسالے کی صورت میں شائع ہونا چاہیے۔

نظمِ خضرِ راہ جو انجمن کے سالانہ جلسے میں پڑھی تھی، ایک علیحدہ کتاب کی صورت میں

شائع ہو گئی تھی۔ میں آج دریافت کراؤں گا اگر کوئی کاپی اس کی موجود ہے تو خدمتِ والا میں ارسال کرا دوں گا۔ ساری نظم کا اب چھپنا تو ٹھیک نہیں اور نہ اس قدر گنجائش معارف میں ہو گی۔ لیکن اگر کوئی بند آپ کو پسند آ جائے تو اُسے چھاپ دیجئے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ گوئٹے (شاعر جرمنی) کے "مشرقی دیوان" کے جواب میں مَیں نے ایک مجموعہ فارسی اشعار کا لکھا ہے۔ عنقریب شائع ہو گا، اس کے دیباچہ میں یہ دکھانے کی کوشش کروں گا کہ فارسی لٹریچر نے جرمنی لٹریچر پر کیا اثر کیا ہے۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

۲۳

لاہور

۱۸/اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم

حال میں امریکہ کی مشہور یونیورسٹی (کولمبیا) نے ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "مسلمانوں کے نظریات متعلقہ مالیات" اس کتاب میں لکھا ہے کہ اجماعِ امت نصِ قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیر خوارگی جو نص صریح کی رُو سے دو سال ہے، کم یا زیادہ ہو سکتی ہے، یا حصصِ شرعی میراث میں کمی بیشی کر سکتا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ بعض حنفاد اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ امت یہ اختیار رکھتا ہے، مگر اُس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟

امرِ دیگر یہ ہے کہ آپ کی ذاتی رائے اس بارے میں کیا ہے؟ میں نے مولوی ابوالکلام

صاحب کی خدمت میں بھی عریضہ لکھا ہے، میں آپ کا بڑا ممنون ہوں گا اگر جواب جلد دیا جائے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر

۴۳- میکلوڈ روڈ- لاہور

۳۴

لاہور

۲۷، اگست ۱۹۲۴ء

مخدومی، السلام علیکم

نوازش نامہ ابھی ملا ہے جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

۱- آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقہا نے اجماع سے نص کی تخصیص جائز سمجھی ہے۔ ایسی تخصیص یا تعمیم کی مثال اگر کوئی ہو تو اس سے آگاہ فرمائیے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم کرنا ضروری ہے کہ ایسی تخصیص یا تعمیم صرف اجماعِ صحابہ ہی کر سکتا ہے یا علماء و مجتہدین امت بھی کر سکتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی تاریخ میں صحابہ کے بعد کوئی ایسی مثال ہو تو اس سے بھی آگاہ فرمائیے، یعنی یہ کہ کس مسئلہ میں صحابہ نے یا علمائے امت نے نص کے حکم کی تخصیص و تعمیم کر دی۔ میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ تخصیص یا تعمیم حکم سے آپ کی کیا مراد ہے۔

۲- دیگر آپ کا ارشاد ہے کہ اگر صحابہ کا کوئی حکم نص کے خلاف ہے تو اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ کوئی ناسخ حکم ان کے علم میں ہو گا۔ جو ہم تک روایتہً نہیں پہنچا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا بھی ہے جو صحابہ نے نصِ قرآن کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کونسا حکم ہے۔

یہ بات کہ کوئی ناسخ حکم اُن کے علم میں ہو گا محض حسنِ ظن پر مبنی ہے۔ یا آج کل کی

قانونی اصطلاح میں "لیگل فکشن" ہے، علامہ آمدی کے قول سے تو بظاہر امریکن مصنف کی تائید ہوتی ہے گو صرف سی حد تک کہ اجماعِ صحابہ نصِ قرآنی کے خلاف کر سکتا تھا، بعد کے علماء ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے علم میں کوئی ناسخ حکم نہیں ہو سکتا۔

۳۔ اگر صحابہ کے اجماع نے کوئی نصِ قرآنی کے خلاف نافذ کیا تو علامہ آمدی کے خیال کے مطابق ایسا کسی ناسخ حکم کی بنا پر ہُوا ہے۔ وہ ناسخ حکم سوائے حدیثِ نبوی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ حدیث ناسخِ قرآن ہو سکتی ہے جس سے کم از کم مجھے تو انکار ہے اور غالباً آپ کو بھی ہوگا، مجھے افسوس ہے کہ مَیں آپ کو دوبارہ زحمت دینے پر مجبور ہُوا، لیکن آپ کے وسیع اخلاق پر بھروسہ کر کے یہ جرأت کی ہے۔

جو کتاب امریکہ میں چھپی ہے اُس کا نشان مندرجہ ذیل ہے۔

MOHAMMADAN THEORIES OF FINANCE

BY NICOLAS P. AGHNIDES

یہ کتاب کولمبیا یونیورسٹی نے شائع کی ہے، قیمت غالباً دس بارہ روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ اگر آپ اُسے منگوانا چاہیں تو کسی تاجر کتب امریکائی کے ذریعہ سے منگوا سکتے ہیں۔ تھیکر اسپنک یا میکمیلن کلکتہ بھی منگوا کر دے سکتا ہے۔ ان کو مفصّل پتہ لکھ بھیجئے یا براہ راست سکرٹیری کولمبیا یونیورسٹی شہر نیویارک (امریکہ) سے خط و کتابت کیجئے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اور خط کا جواب جلد ملے گا۔

مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر،

میکلوڈ روڈ، لاہور

۳۵

مخدومی، السلام علیکم

میں نے کل ایک عریضہ ارسالِ خدمت کیا تھا۔

تخصیص و تعمیم احکام کا جہاں تک تعلق ہے، اس خط کے جواب کی زحمت گوارا نہ فرمائیے، کیونکہ قاضی شوکانی کی ارشاد الفحول سے اس کا حال مجھے معلوم ہو گیا ہے، البتہ باقی حصۂ خط کا جواب ضرور عنایت فرمائیے۔ علامہ آمدی کی کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں نہیں ہے۔ انشاءاللہ سرما میں یونیورسٹی کے لیے ایک کاپی منگوانے کی کوشش کروں گا۔ پنجاب میں ایک صاحب نے حال میں قرآن کی تفسیر شائع کی ہے، جس کا نام تذکرہ ہے۔ کیا آپ کی نظر سے گذری ہے؟ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا ریویو مفصل آپ کے قلم سے نکلے۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۹ راگست ۱۹۲۴ء

۳۶

لاہور

۵ ر ستمبر ۱۹۲۴ء

مخدومی، السّلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے جس کے مضمون سے بہت تسکین ہوئی۔

انجمن حمایت اسلام کا صدر مجھے منتخب کیا گیا تھا، مگر میں نے بعض وجوہ سے استعفا دے دیا ہے، کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت اس انجمن کی اچھی نہیں ہے۔ بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں، اور اُن کے نزدیک انجمن ان اغراض کے حصول کا ذریعہ

ہے اور بس۔ اس وقت وہی جماعت جلسہ کی تیاریاں کر رہی ہے، مگر آپ ضرور تشریف لائیے۔ یہاں کے لوگوں کو ختم نبوت کے مسئلے میں بڑی دلچسپی ہے، اور آپ کی تقریر انشائاللہ بیحد توجہ سے سنی جائے گی۔ اس کے علاوہ مَیں ایک مدّت سے آپ کی ملاقات کا اشتیاق رکھتا ہُوں، میرے ہی غریب خانہ پر ٹھہریئے۔ یہاں سے انجمن کا جلسہ گاہ کچھ دُور نہیں موٹر پر چھ منٹوں کی راہ ہے۔

جناب مشرقی امرتسر کے رہنے والے ہیں، نوجوان آدمی ہیں کیمبرج میں ریاضی کا اعلیٰ امتحان پاس کیا، ہندوستان واپس آنے تو کچھ مدّت کے لیے پشاور کالج کے پرنسپل رہے، اس کے بعد گورنمنٹ آف انڈیا کے محکمہ تعلیم میں رہے، آج کل غالباً کسی سرکاری اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، مجھے ان کی قابلیت کا حال زیادہ معلوم نہیں، مگر اس کتاب کے ریویو سے جو کچھ معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ مغربی افکار پر بھی ان کی نظر نہایت سطحی ہے۔ باقی تفسیر قرآن و تاریخ اسلام کے متعلق یہاں عجیب و غریب افواہیں ہیں۔ زبانی عرض کروں گا۔ زمیندار میں تذکرہ پر ایک ریویو مفصّل شائع ہُوا ہے جو مصنّف نے محنت و کاوش سے لکھا ہے۔ مگر سیّد سلیمان ندوی کی اسٹائل اور وسعت نظر اُس کو حاصل نہیں۔ مجھے تذکرہ کا علم اسی ریویو سے ہوا۔

جناب مشرقی جہاں تک مجھے معلوم ہے خود مدعی نہیں ہیں۔ امتِ مسلمہ سے ممکن ہے ان کا تعلق ہو۔ کیونکہ آج کل امت مسلمہ کا سنٹر امرتسر ہے۔ بہائی فرقہ سے بھی جہاں تک مجھے معلوم ہے اُن کا تعلق نہیں ہے، مختصر یہ ہے کہ یورپین افکار کی تاریخ کا اعادہ آج کل دنیائے اسلام میں ہو رہا ہے۔ ان حالات میں جو اس وقت کیفیت آپ کے قلب کی ہے وہ ایک حد تک نیچرل امر ہے۔ مگر مَیں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ امتِ مسلمہ کے لیے از بس مفید ہے۔ دنیائے اسلام اس وقت ایک رُوحانی پیکار

میں مصروف ہے۔ اس پیکار و انقلاب کا رُخ متعیّن کرنے والے قلوب و اذہان پر شک و نا امیدی کی حالت کبھی کبھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا قلب قوی ہے اور ذہن ہمہ گیر، آپ اس حالت سے جلد نکل جائیں گے۔ یا صوفیہ کی اصطلاح میں یوُں کہیے کہ اس مقام کو جلد طے کر لیں گے، آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے:۔

قلندراں کہ براہِ تو سخت می کوشند
زشاہ باج ستانند و خرقہ می کوشند
بجلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اند و زمان و مکاں در آغوشند
دریں جہاں کہ جمالِ تو جلوہ ہا دارد
زفرق تا بہ قدم دیدہ و دل و گوشند
بروزِ بزم سراپا چو پرنیان و حریر
بروزِ رزم خود آگاہ و تن فراموشند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں، اس جماعت کا دنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے۔ باقی جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن تھے اس کے متعلق انشاءاللہ بوقتِ ملاقات گفتگو ہو گی، ہندوستانی نیشنلزم کی انتہا یہی تھی جو آپ کے مشاہدہ میں آگئی۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔ یہ خط بستر پر لیٹے لیٹے لکھا ہے، آج طبیعت بہت مضمحل ہے، بدخطی معاف فرمائیے گا۔

مخلص محمد اقبال

۳۷

مخدومی، السّلام علیکم

آپ نے کسی گذشتہ خط میں مجھے لکھا تھا کہ حضور سرورِ کائنات سے جب کوئی مسئلہ دریافت کیا جاتا تو آپ بعض دفعہ وحی کا انتظار فرماتے اگر وحی نازل ہوتی تو اس کے مطابق مسائل کا جواب دیتے اور اگر وحی کا نزول نہ ہوتا تو قرآن شریف کی کسی آیت سے استدلال فرماتے اور جواب کے ساتھ وہ آیت بھی پڑھ دیتے۔ اس کا حوالہ کونسی کتاب میں ملے گا؟ کیا یہ قاضی شوکانی کی کتاب ارشاد الفحول سے آپ نے لیا ہے۔

دوسرا امر جو اس کے متعلق دریافت طلب ہے یہ ہے کہ جو جواب وحی کی بنا پر دیا گیا وہ تمام امّت پر حجّت ہے (اور وہ وحی بھی قرآن شریف میں داخل ہو گئی) لیکن جو جواب محض استدلال کی بنا پر دیا گیا جس میں وحی کو دخل نہیں کیا وہ بھی تمام امّت پر حجّت ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حضورؐ کے تمام استدلالات بھی وحی میں داخل ہیں۔ یا بالفاظِ دیگر یہ کہ قرآن و حدیث میں کوئی فرق نہیں، جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے۔

مخلص محمد اقبال، لاہور

۱۶ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

۳۸

لاہور

۱۸ر مارچ ۱۹۲۶ء

مخدومی، السّلام علیکم

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہِ اسلامی کی ایک مفصّل تاریخ لکھی

جائے، اس مبحث پر مصر میں ایک چھوٹی سی کتاب شائع ہوئی تھی جو میری نظر سے گذری ہے، مگر افسوس ہے کہ بہت مختصر ہے، اور جن مسائل پر بحث کی ضرورت ہے مصنف نے ان کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اگر مولانا شبلیؒ زندہ ہوتے تو میں اُن سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا، موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا۔ میں نے ایک رسالہ اجتہاد پر لکھا تھا، مگر چونکہ میرا دل بعض امور کے متعلق خود مطمئن نہیں اس واسطے اس کو اب تک شائع نہیں کیا، آپ کو یاد ہو گا میں نے آپ سے بھی کئی امور کے متعلق استفسار کیا تھا۔ مسلمانوں پر اس وقت (دماغی اعتبار سے) وہی زمانہ آرہا ہے جس کی ابتدا یورپ کی تاریخ میں لوتھر کے عہد سے ہوئی۔ مگر چونکہ اسلامی تحریک کی کوئی خاص شخصیت راہنما نہیں ہے اس واسطے اس تحریک کا مستقبل خطرات سے خالی نہیں۔ نہ عامۃ المسلمین کو یہ معلوم ہے کہ اصلاح لوتھر نے مسیحیت کے لیے کیا کیا نتائج پیدا کئے۔ ہندوستان کی جمعیۃ العلماء کی توجہ اس طرف ضروری ہے۔ آپ چونکہ اس جمعیت کے صدر ہیں اس واسطے آپ سے درخواست ہے کہ اس کام کو مستقل طور پر اپنے ہاتھ میں لیجئے۔ ندوہ کے دیگر ارکان یا فارغ التحصیل طلبہ کو بھی اپنے ساتھ ملائیے تاکہ اقوام اسلامیہ کو فقہ اسلامی کی اصل حقیقت معلوم ہو، مَیں نے سنا ہے کہ البانیا کے مسلمانوں نے وضو اڑا دیا۔ اور ممکن ہے نماز میں بھی کوئی ترمیم کی ہو۔ ٹرکی کا حال تو آپ کو معلوم ہی ہے۔

مصر میں یہ تحریک جاری ہے اور عنقریب ایران اور افغانستان میں بھی اس کا ظہور ہو گا۔ ایران کو بابیت سے اندیشہ ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ اسمٰعیلی تحریک کہیں پھر زندہ نہ ہو جائے۔ ایک قدیم اسلامی اصطلاح ہے "صوت الحی" شاید اس کا مفہوم قبیلہ کی آواز ہے۔ کیونکہ اس وقت دنیائے اسلام میں کوئی خاص مذہبی شخصیت نہیں جو طبائع کے اس انقلاب کو ٹھیک رستہ پر لگائے، غرضیکہ اس وقت مذہبی اعتبار سے دنیائے اسلام کو راہنمائی کی سخت ضرورت ہے،

اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے بعض علما، اس کام کو باحسن وجوہ انجام دے سکتے ہیں۔ سیاسی اعتبار سے تو ہم باقی اقوامِ اسلامیہ کو کوئی ایسی مدد نہیں دے سکتے، ہاں دماغی اعتبار سے اُن کے لیے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے۔

دیگر امر دریافت طلب یہ ہے کہ آیۂ توریث میں حصص بھی ازلی ابدی ہیں یا قاعدہ توریث میں جو اصول مضمر ہے صرف وہی ناقابلِ تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہو سکتی ہے؟ آیۂ وصیت پر بھی جو ارشادات ہیں میری سمجھ میں نہیں آئے، اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ جب فرصت ملے جزئیات سے بھی آگاہ فرمائیے۔ اس احسان کے لیے ہمیشہ شکر گذار ہوں گا۔ بعض خیالات زمانۂ حال کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کا نتیجہ ہیں۔ ان کے ادا کرنے کے لیے قدیم فارسی اسلوبِ بیان سے مدد نہیں ملتی، بعض تاثرات کے اظہار کے لیے الفاظ ہاتھ نہیں آتے، اس واسطے مجبوراً ترکیب اختراع کرنی پڑتی ہے جو ضرور ہے کہ اہلِ زبان کو ناگوار ہو کہ دل و دماغ اس سے مانوس نہیں ہیں۔ بعض اشعار کے لکھنے میں تو مجھے اس قدر رُوحانی تکلیف ہوئی کہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ کاش چند روز کے لیے آپ سے ملاقات ہوتی اور آپ کی صحبت سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

لاہور

۷/اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کے بعض خطوط میرے پاس محفوظ ہیں، اور یہ آخری خط بھی جو نہایت معنی خیز ہے اور جس کے مضمون سے مجھے بحیثیت مجموعی پورا اتفاق ہے محفوظ رہے گا۔ عبادات کے متعلق کوئی ترمیم و تنسیخ میرے پیشِ نظر نہیں ہے، بلکہ مَیں نے اپنے مضمون اجتہاد میں ان کی ازلیت و ابدیت پر دلائل قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہاں معاملات کے متعلق بعض سوالات دل میں پیدا ہوتے ہیں اس ضمن میں چونکہ شریعتِ احادیث (یعنی وہ احادیث جن کا تعلق معاملات سے ہے) کا مشکل سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ابھی تک میرا دل اپنی تحقیقات سے مطمئن نہیں ہُوا، اس واسطے وہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ میرا مقصود یہ ہے کہ زمانہ حال کے جورس پروڈنس کی روشنی میں اسلامی معاملات کا مطالعہ کیا جائے۔ مگر غلامانہ انداز میں بلکہ ناقدانہ انداز میں۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے عقائد کے متعلق ایسا ہی کیا ہے۔ یونان کا فلسفہ ایک زمانے میں انسانی علوم کی انتہا تصوّر کیا گیا۔ مگر جب مسلمانوں میں تنقید کا مادہ پیدا ہُوا تو انہوں نے اسی فلسفے کے ہتھیاروں سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس عصر میں معاملات کے متعلق بھی ایسا ہی کرنا ضروری ہے قاعدۂ میراث کے حصص کے متعلق مَیں نے مضمون اجتہاد میں یہی طریق اختیار کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ لڑکی کو لڑکے سے آدھا حصہ ملنا عین انصاف ہے۔ مساوی حصّہ ملنے سے انصاف قائم نہیں رہتا ہے، بحث کا محرک ترکی شاعر ضیا بک کی بعض تحریریں تھیں جن میں وہ اسلامی طلاق اور میراث کا ذکر کرتا ہے مَیں نے جو حصص کے متعلق آپ سے دریافت کیا

تھا اُس کا مقصد یہ نہ تھا کہ مَیں ان حصص میں ترمیم چاہتا ہوں، بلکہ خیال یہ تھا کہ شاید ان حصص کی ازلیت و ابدیت پر آپ کوئی روشنی ڈالیں گے میرے نزدیک اقوام کی زندگی میں ’قدیم‘ ایک ایسا ہی ضروری عنصر ہے جیسا کہ ”جدید“ بلکہ میرا ذاتی میلان ’قدیم‘ کی طرف ہے مگر میں دیکھتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں عوام اور تعلیم یافتہ لوگ دونوں طبقے علوم اسلامیہ سے بے خبر ہیں۔ اس بے خبری سے آپ کی اصطلاح میں یورپ کے ”معنوی استیلا“ کا اندیشہ ہے، جس کا سدِ باب ضروری ہے۔ میرا ایک مدت سے یہ عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو سیاسی اعتبار سے دیگر ممالکِ اسلامیہ کی کوئی مدد نہیں کر سکتے، دماغی اعتبار سے ان کی بہت کچھ مدد کر سکتے ہیں۔ کیا عجیب ہے کہ اسلامی ہند کی آئندہ نسلوں کی نگاہوں میں ’ندوہ‘ علی گڈھ سے زیادہ کارآمد ثابت ہو، آپ کے خط کے آخری حصے سے ایک اور سوال میرے دل میں پیدا ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ قرآن کی کسی مقرر کردہ حد (مثلاً سرقہ کی حد) کو ترک کر دے اور اس کی جگہ کوئی اور حد مقرر کر دے اور اس اختیار کی بنا کون سی آیتِ قرآنی ہے؟ حضرت عمرؓ نے طلاق کے متعلق جو مجلس قائم کی ہے۔

اس کا اختیار ان کو شرعاً حاصل تھا۔ میں اس اختیار کی اساس معلوم کرنا چاہتا ہوں، زمانۂ حال کی زبان سے یوں کہیے کہ آیا اسلامی کانسٹی ٹیوشن اُن کو ایسا اختیار دیتی تھی؟ امام، ایک شخص واحد ہے یا جماعت بھی ’امام‘ کے قائم مقام ہو سکتی ہے، ہر اسلامی ملک کے لیے اپنا امام ہو، یا تمام اسلامی دنیا کے لیے ایک واحد امام ہو، مؤخر الذکر صورت موجودہ فرقِ اسلامیہ کی موجودگی میں کیونکر بروئے کار آسکتی ہے؟ مہربانی کر کے ان سوالات پر روشنی ڈالیے، لقب امام سے بہت سی مشکلات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بشرطیکہ اس کو وہ اختیارات شرعاً حاصل ہوں جن کا اشارہ آپ نے کیا ہے۔

ترجمہ جو آپ نے ارسال کیا ہے افسوس ہے کہ وہ معارف کے قابل نہیں ہے۔ مَیں

نے یہ مضمون ان طلبا کے لیے لکھا تھا جو اضافیت سے کسی قدر آشنا تھے اس واسطے مختصر لکھا، مفصل لکھنے کے لیے نہ وقت تھا نہ ضرورت، غالباً ایسے ریڈر کو اس سے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا جو فلسفہ کے بعض مسائل اور نظریۂ اضافیہ سے آشنا نہیں ہے، بہرحال میں نے ایک صاحب سے کہا ہے کہ وہ اس کا اُردو ترجمہ معارف کے لیے کریں، وہ ترجمہ کریں گے پھر میں اُسے دیکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ جامعہ کا ترجمہ میری نظر سے نہیں گذرا، قادیانیوں نے بھی ایک ترجمہ اس مضمون کا کیا تھا، مگر وہ بھی غلط تھا۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا، خدا تعالیٰ آپ کو اطمینان عطا فرمائے، کہ آپ کا اطمینان اور خانگی پریشانیوں سے آزادی ہم سب کے لیے ازبس ضروری ہے۔

مخلص، محمد اقبال

۴۰

لاہور

۲۴/اپریل ۱۹۲۶ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ اپنے نوازش نامہ کی طوالت کے لیے عذر خواہی کرتے ہیں، مگر میرے لیے یہ طویل خط باعثِ خیر و برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ مَیں نے اسے کئی دفعہ پڑھا ہے اور گذشتہ رات چودھری غلام رسول مہر سے بھی پڑھوا کر سنا، اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے۔ اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا۔ فی الحال انشاء اللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا۔

مضمون اجتہاد کی تکمیل کے بعد حافظ ابنِ قیم کی کتاب طرق الحکمیہ پر اور اس کے بعد المقابلات پر جس کا ذکر آپ نے اپنے خط میں کیا ہے لکھنے کا ارادہ ہے۔ شریعتِ احادیث کے متعلق جو کھٹک میرے دل میں ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث سرے سے

بیکار ہیں، ان میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی و تعالی کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی۔ مثلاً ملکیتِ شاملات وہ کے متعلق المو علیٰ للہ ورسولہ (بخاری) اس حدیث کا ذکر میں نے مضمون اجتہاد میں بھی کیا ہے، بہر حال چند امور اور دریافت طلب ہیں، اگرچہ آپ اس وقت سفر حجاز کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے، تاہم مجھے یقین ہے کہ آپ از راہِ عنایت میرے سوالات پر کسی قدر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی دو حیثیتیں ہیں، نبوّت اور امامت۔ نبوت میں احکام قرآنی اور آیاتِ قرآنی سے حضور کے استنباط داخل ہیں، اجتہاد کی بنا محض عقلِ بشری اور تجربہ و مشاہدہ ہے، یا یہ بھی وحی میں داخل ہے۔ اگر وحی میں داخل ہے تو اس پر آپ کیا دلیل قائم کرتے ہیں؟ مَیں خود اس کے لیے دلیل رکھتا ہُوں مگر مَیں اس پر اعتماد نہیں کرتا۔ اور آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ وحیِ غیر متلو کی تعریف نفسیاتی اعتبار سے کیا ہے؟ کیا وحیِ متلو اور غیر متلو کے امتیاز کا پتہ رسُول اللہ صلعم کے عہد مبارک میں چلتا ہے یا یہ اصطلاحات بعد میں وضع کی گئیں؟

۲۔ حضور نے اذان کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا، کیا یہ مشورہ نبوت کے تحت میں آئے گا یا امامت کے تحت میں؟

۳۔ فقہا کے نزدیک خاوند کو جو حق اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ہے، وہ بیوی کو یا اُس کے کسی خویش یا کسی اور آدمی کے حوالے کیا جا سکتا ہے؟ اس مسئلہ کی بنا کوئی آیتِ قرآنی ہے یا حدیث؟

۴۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک طلاق یا خاوند کی موت کے دو سال بعد بھی اگر بچہ پیدا ہو تو قیاس اس بچہ کے ولد الحرام ہونے پر نہیں کیا جا سکتا، اس مسئلہ کی اساس کیا ہے؟ کیا یہ اصول محض ایک قاعدۂ شہادت ہے یا جزوِ قانون ہے۔ اس سوال کے پُوچھنے کی وجہ یہ

ہے کہ مروجہ ایکٹ شہادت کی رُو سے تمام وہ قواعد شہادت جو اس ایکٹ کے نفاذ سے پہلے ملک میں مروّج تھے منسُوخ کیے گئے، ہندوستان کی عدالتوں نے مذکورہ بالا اصول کو قاعدۂ شہادت قرار دے کر منسُوخ کر دیا۔ نتیجہ اس کا بعض مقامات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مُسلمان بچّہ جو فقہ اسلامی کے رُو سے ولد الحلال ہے ایکٹ شہادت کے رُو سے ولد الحرام قرار دیا جاتا ہے۔ ایکٹ شہادت میں اور بھی باتیں ہیں جن کا ذکر اس مضمون میں کرنے کا ارادہ ہے جو مَیں حافظ ابنِ قیّم کے فلسفۂ شہادت پر لکھوں گا۔

امید ہے کہ آپ اس تکلیف دہی کے لیے مجھے معاف فرمائیں گے۔ میں آپ سے سچ کہتا ہُوں کہ میرے دل میں ممالکِ اسلامیہ کے موجودہ حالات دیکھ کر بے انتہا اضطراب پیدا ہو رہا ہے، ذاتی لحاظ سے خدا کے فضل و کرم سے میرا دل پُورا مطمئن ہے یہ بے چینی اور اضطراب محض اس وجہ سے ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ نسل گھبرا کر کوئی اور راہ اختیار نہ کر لے، حال ہی میں ایک تعلیم یافتہ عرب سے ملنے کا اتفاق ہُوا، فرانسیسی خُوب بولتا تھا، مگر اسلام سے قطعاً بے خبر تھا۔ اس قسم کے واقعات مشاہدہ میں آتے ہیں تو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

امید کہ مزاج بخیر ہو گا۔

مخلص، محمد اقبال

۴۱

لاہور

۷ر مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی، السلام علیکم

شمسِ بازغہ یا صدرا میں جہان زمان کی حقیقت کے متعلق بہت سے اقوال نقل کیے

ہیں۔ ان میں ایک قول یہ ہے کہ زمان خدا ہے۔ بخاری میں ایک حدیث بھی اسی مضمون کی ہے، لاتسبوا الدھر الخ کیا حکمائے اسلام میں سے کسی نے یہ مذہب اختیار کیا ہے۔ اگر ایسا ہو تو یہ بحث کہاں ملے گی

قرونِ وسطیٰ کے ایک یہودی حکیم موسیٰ بن میمون نے لکھا ہے کہ خدا کے لیے کوئی مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ زمان کو لحظہ بلحظہ پیدا کرتا ہے۔ میمون قرطبہ میں پیدا ہوا اور قاہرہ میں مرا غالباً بارہویں صدی کے آخر میں، اُس نے مسلمانوں کی یونیورسٹیوں میں تعلیم پائی اور تمام عمر مسلمانوں ہی کی ملازمت کرتا رہا، متکلمین کے خیالات پر اُس نے جرح قدح بھی خوب کی ہے، میرا گمان ہے کہ میمون کا مذکورہ بالا مذہب بھی ضرور کسی نہ کسی مسلمان حکیم کی خوشہ چینی ہے۔ اگر آپ کے علم میں یہ بات ہو تو مہربانی کر کے مطلع فرمائیے، میں ایک مضمون لکھ رہا ہوں جس کا عنوان یہ ہے۔

"زمان کی حقیقت فلسفۂ اسلام کی تاریخ میں" امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، اور اس خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دیجیے گا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال، بیرسٹر لاہور

۴۲

لاہور

۱۸ر مارچ ۱۹۲۸ء

مخدومی، السلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

ایک زحمت دیتا ہوں، معاف فرمائیے گا "مباحثِ مشرقیہ" لاہور میں دستیاب نہیں

ہو سکتی، کیا یہ ممکن ہے کہ آپ زمان کے متعلق امام رازی کے خیالات کا خلاصہ قلمبند فرما کر مجھے ارسال فرما دیں میں اس کا ترجمہ نہیں چاہتا، صرف خلاصہ چاہتا ہوں جس کے لکھنے میں غالباً آپ کا بہت سا وقت ضائع نہ ہوگا۔

بزمِ اغیار، کی رونق ضروری تھی، اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہو سکتا۔ افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دُور جا پڑے۔ وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں جس کو کوئی مخلص مسلمان ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کر سکتا۔

امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

۴۳

لاہور

۲۵ر اپریل ۱۹۲۹ء

مخدومی، السّلام علیکم

نوازش نامہ مل گیا ہے۔ لکچروں کا اُردو ترجمہ انشاءاللہ کیا جائے گا۔ اصطلاحات کے متعلق آپ سے بھی مشورہ طلب کروں گا۔

سر شفیع کی خدمت میں عرض کر دوں گا۔ ذوالفقار علی خاں ۴ر مئی کو ولایت جا رہے ہیں، اُن سے کہنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ ان کی مالی حالت کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے، بہتر ہو کہ آپ سر عبدالقادر سے اس کارِ خیر کے لیے چندہ طلب فرمائیے۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

۴۴

لاہور

۲؍ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی، السلام علیکم

ایک عریضہ ارسالِ خدمت کر چکا ہوں، امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا۔

جس باب میں مولانا شبلیؒ نے ایک فقرہ شعائر وارتفاقات کے متعلق نقل کیا ہے اسی باب میں ایک اور فقرہ نظر سے گذرا جو پہلے نظر سے نہ گذرا تھا۔

"وشعائر الدین امر ظاهر تخصیص به ویمتاز صاحبه به فی سائر الادیان کالختان وتعظیم المساجد والاذان والجمعة والجماعات"۔

یہ شاہ صاحب کی اپنی تشریح ہے، جناب کا ارشاد اس بارے میں کیا ہے؟

علیٰ ہذا القیاس ارتفاقات میں شاہ صاحب کی تشریح کے مطابق تمام تدابیر جو سوشل اعتبار سے نافع ہوں داخل ہیں۔ مثلاً نکاح وطلاق کے احکام وغیرہ، اگر شاہ صاحب کی عبارت کی یہ تشریح صحیح ہے تو حیرت انگیز ہے۔ اگر ان معاملات میں تھوڑی سی ڈھیل بھی دی جائے تو سوسائٹی کا کوئی نظام نہ رہے گا۔ ہر ایک ملک کے مسلمان اپنے اپنے دستور ومراسم کی پابندی کریں گے۔

ستمبر کے معارف کا شدّت کے ساتھ منتظر ہوں، جلد بھجوائیے۔ والسلام

مخلص، محمد اقبال

۴۵

لاہور

۲۲؍ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی، السلام علیکم

الکلام (یعنی علم کلام جدید) کے صفحہ ۱۱۴ - ۱۱۳ پر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ (صفحہ ۱۲۳) کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے، جس کے مفہوم کا خلاصہ انہوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ہے۔ اس عربی فقرہ کے آخری حصّہ کا ترجمہ یہ ہے۔

"اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعار تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کے عادات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ امام پیدا ہُوا ہے، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے"۔

مہربانی کر کے یہ فرمائیے کہ مندرجۂ بالا فقرہ میں لفظ شعار سے کیا مراد ہے، اور اس کے تحت میں کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں۔ اس لفظ کی مفصّل تشریح مطلوب ہے جواب کا سخت انتظار رہے گا۔ والسّلام

مخلص، محمد اقبال

۴۶

لاہور

۲۸؍ستمبر ۱۹۲۹ء

مخدومی، والا نامہ ملا جس کے لیے بہت شکر گذار ہُوں۔

لفظ شعار کے معنی کے متعلق پورا اطمینان آپ کی تحریر سے نہیں ہُوا۔ کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے جو آپ نے کی ہے؟ دیگر عرض

یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ نے اسی فقرہ میں لفظ ارتفاقات استعمال کیا ہے، مولانا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے، اُردو ترجمہ سے یہ نہیں کُھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے کل سیالکوٹ میں حجۃ اللہ البالغہ مطالعہ سے گذری، اس سے معلوم ہُوا کہ شاہ صاحب نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں، ان چار قسموں میں تمدنی امور مثلاً نکاح طلاق وغیرہ کے مسائل بھی آجاتے ہیں، کیا شاہ صاحبؒ کے خیال میں ان معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جاتی؟ میرا مقصد محض شاہ صاحب کا مطلب سمجھنا ہے، مہربانی کر کے اسے واضح فرمائیے، سنت پر آپ کا مضمون ضرور دیکھوں گا، اور اس سے اپنی تحریر میں فائدہ بھی اٹھاؤں گا۔ اس خط کا جواب جلد ارسال فرمائیے۔

مخلص

محمد اقبال

۴۷

لاہور

۸ راگست ۱۹۲۳ء

مخدومی، السلام علیکم

چند ضروری امور دریافت طلب ہیں جن کے لیے زحمت دے رہا ہوں، از راہ عنایت معاف فرمائیے۔

۱۔ حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقتِ زمان کی بحث کس کس جگہ ہے؟ حوالے مطلوب ہیں۔

۲۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمائیے۔

۳۔ متکلمین کے نقطۂ خیال سے حقیقتِ زمان یا آنِ سیال پر مختصر اور مدلل بحث

کونسی کتاب میں ملے گی؟

امام رازی کی مباحثِ مشرقیہ میں آج کل دیکھ رہا ہوں۔

۴۔ ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں، اور ملّا محمود جونپوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے؟ ان کے اسماء سے مطلع فرمائیے، اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی،

امید کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا، والسّلام

مخلص

محمد اقبال

۴۸

لاہور

۴ر ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم

والا نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

رسالہ اتقان فی ماہیۃ الزمان آج مل گیا، مَیں نے اس کے لیے ایک دوست کو ٹونک لکھا تھا۔ آج مولوی برکات احمدؒ کو ایک اور رسالہ کے لیے جو اردو میں ہے لکھا ہے۔ ہندی فلسفی ساکن پھلواری مصنف تسویلات فلسفہ کا نام کیا ہے؟ اور کتاب مذکور طبع ہوئی یا نہ، اگر نہیں طبع ہوئی تو قلمی نسخہ اس کا کہاں سے دستیاب ہوگا، مہربانی کر کے جلد مطلع فرمائیں،

شرحِ مواقف دیکھ رہا ہوں، فتوحات کا مطالعہ آپ کا ملخص آنے کے بعد دیکھوں گا، خدا کرے آپ کی صحت اچھّی رہے اور آپ اس طرف جلد توجہ کر سکیں، نور الاسلام کا عربی رسالہ بابت مکان جو رامپور میں ہے کس زبان میں ہے، قلمی ہے یا مطبوعہ،

نورالاسلام کا زمانہ کون سا ہے ؟

اس تصدیع کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔

علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے ؟

دارالمصنفین کی طرف سے ہندوستان کے حکمائے اسلام پر ایک کتاب نکلنی چاہیئے اس کی سخت ضرورت ہے۔ عام طور پر یورپ میں سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی کوئی فلسفیانہ روایات نہیں ہیں۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

۴۹

لاہور

۱۰ ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولینا، السّلام علیکم

ایک عریضہ پہلے ارسال کر چکا ہوں، اس کے جواب کا انتظار ہے۔ اس عریضہ میں یہ دریافت کرنا بھول گیا کہ ملا محب اللہ بہاریؒ کی کتاب جوالفرد کہاں سے ملے گی ؟

شاہِ افغانستان آپ سے تعلیم مذہبی کے بارہ میں مشورہ چاہتے ہیں۔ شاید اسی ماہِ ستمبر میں آپ کو کابل سے دعوت آئے۔ مَیں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ جانے کے لیے تیار ہوں گے۔ ممکن ہے کہ سیّد راس مسعود اور اقبال بھی آپ کے ہمراہ ہوں۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔

جواب کا انتظار ہے۔

محمد اقبال، لاہور

۵۰

لاہور
۱۷/ستمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے، جو ہم نے قونصل جنرل صاحب کی خدمت میں بھیج دیا ہے، سیّد راس مسعود صاحب کی طرف سے ابھی تک جواب موصول نہیں ہُوا۔

حضرت ابنِ عربی کے خیالات و افکار بھیجنے کا جو وعدہ آپ نے فرمایا اُس کے لیے بیحد شکر گذار ہوں۔ مولوی سیّد برکات احمد صاحب کا رسالہ مَیں نے دیکھا ہے۔ انشاءاللہ اُسے سبقاً سبقاً پڑھوں گا، مسئلہ آن کے متعلق ابھی تک مشکلات باقی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فلاسفہ پر جو اعتراض ہمارے متکلمین نے کئے ہیں وہ مسئلہ زمان کے متعلق خود اُن کے افکار پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ مولوی سیّد برکات احمد مرحوم نے دہر اور زمان میں امتیاز کر کے کسی قدر مشکلات کو کم کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ مسئلہ نہایت مشکل ہے، ممکن ہے حضرت ابن عربی اس پر روشنی ڈال سکیں۔

جمعیت العلماء کی صدارت کے متعلق صاحب نے میرا حوالہ دینے پر اصرار کیا، اس واسطے مَیں نے ان کو اجازت دیدی کہ آپ کو صدارت کے لیے خط لکھیں تو میرا حوالہ دیدیں، مَیں خود مسلمانوں کے انتشار سے بیحد دردمند ہوں، اور گذشتہ پانچ چار سال کے تجربہ نے مجھے سخت افسردہ کر دیا ہے۔ آپ کا طرزِ عمل اختیار کئے بغیر چارہ نہیں۔

مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے مَیں نے آغا خان کو باوجود اُن کی تمام کمزوریوں کے ان سب سے بہتر مسلمان پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدت سے ان کے مذہبی خیالات میں ایک انقلابِ عظیم آ رہا ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں سوائے التماسِ دعا کے۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال

۵۱

مخدومی جناب مولینا، السّلام علیکم

دعوت نامہ جو قونصل صاحب کی طرف سے مجھے موصول ہُوا ہے، ارسالِ خدمت ہے۔ تاریخ روانگی کے متعلق بعد میں عرض کروں گا۔ کیونکہ پاسپورٹ لینے کے لیے کچھ دن گے۔ امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

آج قونصل صاحب کو مزید تفصیلات کے لیے خط لکھ رہا ہوں، ان کا جواب آنے پر پھر خط لکھوں گا۔ آپ پاسپورٹ کے لیے درخواست کر دیں، اس میں اگر یہ لکھ دیا جائے کہ آپ کو شاہ افغان نے تعلیمی امور میں مشورہ کرنے کے لیے طلب فرمایا ہے تو پاسپورٹ حاصل ہونے میں سہولت ہو اور جلد مل جائے۔ والسّلام

مخلص محمد اقبال، لاہور

۵ /اکتوبر ۱۹۳۳ء

۵۲

لاہور

۹ /اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولینا، السّلام علیکم

میں نے آپ کی خدمت میں دعوت نامۂ افغانستان ارسال کیا تھا، مگر آپ کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہُوا۔ امید ہے آپ نے پاسپورٹ کے لیے اپنے ضلع میں درخواست

کر دی ہوگی، اگر کوئی ملازم آپ کے ہمراہ جائے گا تو اُس کے لیے علیحدہ درخواست پاسپورٹ کے لیے دینی ہوگی۔ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو مہربانی کر کے مجھے بذریعہ تار مطلع فرمائیے۔ پاسپورٹ کی درخواست ایک خاص فارم پر دی جاتی ہے، ساتھ فوٹو بھی دینا پڑتا ہے۔ اگر کوئی اور امر دریافت طلب ہو تو قونصل جنرل افغانستان ۳ ہیلی روڈ، نیو دہلی سے دریافت کریں۔ آپ کے مصارف افغان گورنمنٹ ادا کرے گی، پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے، جواب جلد دیں۔ والسّلام

مخلص، محمد اقبال، لاہور

۵۳

لاہور

۱۱/اکتوبر ۱۹۳۳ء

جناب مولٰینا، السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے، مَیں نے آپ کو دعوت نامہ ۹/اکتوبر سے پہلے بھیج دیا تھا۔ تعجب ہے کہ آپ نے اتنے دنوں بعد پاسپورٹ کے لیے درخواست دی۔ بہر حال قونصل صاحب نے گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھ دیا ہے کہ آپ کا پاسپورٹ جلد مل جائے، مجھے امید ہے کہ جلد مل جائے گا۔ اس سے پہلے میں ایک پوسٹ کارڈ لکھ چکا ہوں کہ جب آپ کو پاسپورٹ مل جائے تو فوراً مجھے تار دیں تاکہ تاریخ روانگی مقرر کی جائے۔ سَیدراس مسعود کا خط مجھے کل ملا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹/اکتوبر کو پشاور سے چلنا چاہیے۔ مَیں نے ان کو جواب میں لکھا ہے کہ تاریخ روانگی (پشاور سے) کی تعیین پاسپورٹ ملنے پر ہونی چاہیے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اگر ملازم ساتھ لے جانا چاہیں تو اُس کے لیے پاسپورٹ علیحدہ لینا ہوگا۔ اکتوبر میں موسم خوشگوار ہوتا ہے، راتیں عام طور پر ایسی ہوتی ہیں جیسے شملہ میں۔ البتہ نومبر میں

سردی کسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ میرے خیال میں سردی کے موسم کے لیے موزوں بستر اور پہننے کے لیے کپڑے لے جانا چاہیے۔ قونصل صاحب نے بھی یہی لکھا ہے۔ قونصل خانے کا ایک آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا۔ پشاور سے آپ شاہی مہمان ہوں گے، وہاں آٹھ دس روز سے زیادہ ٹھہرنے کی شاید ضرورت نہ ہوگی، زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

۵۴

مخدومی مولینا، السلام علیکم

سیّد راس مسعود اصرار کرتے ہیں کہ لاہور سے ۲۰ ر اکتوبر کی صبح کو پشاور کی طرف روانہ ہوں۔ شام کو پشاور پہنچ جائیں گے۔ رات بھر وہاں ٹھہر کر ۲۱ کی صبح کو روانہ کابل ہوں گے۔ آپ ایسا انتظام کریں کہ یا تو ۲۰ کی صبح کو لاہور پہنچیں یا ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں، امید کہ آپ کو پاسپورٹ اس سے پہلے مل جائے گا۔ میرا پاسپورٹ کل مل جانے کی توقع ہے۔ البتہ ملازم کا دو تین روز بعد ملے گا۔ زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج والا بخیر و عافیت ہوگا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ہم ۲۱ کی صبح کو پشاور میں مل جائیں اگر ہم پہلے پہنچیں گے تو آپ کے لیے آدمی سٹیشن پر بھجوا دیا جائے گا۔ اس کارڈ کے جواب میں فوراً خط لکھئے تاکہ آپ کے انتظامات کا حال معلوم ہو جائے۔

مخلص محمد اقبال

۱۳ ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

۵۵

مخدومی، آپ کا پوسٹ کارڈ ابھی ملا ہے۔ مَیں اس سے پہلے ایک ملفوف خط ارسالِ خدمت کر چکا ہوں، آپ ۱۹ راکتوبر کی شام کو لاہور پہنچ جائیے، یہاں سے ۲۰ راکتوبر کی صبح پشاور روانہ ہو جائیں گے۔ سیّد راس مسعود بھی ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچیں گے، قونصل جنرل صاحب کو بھی آپ تار دے دیں کہ آپ ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔

اگر آپ کو پاسپورٹ ۱۷ کو مل جائے تو مجھے تار دینے کی ضرورت نہیں۔ قونصل جنرل کو بذریعہ تار مطلع کر دیں، اور لاہور ۱۹ کی شام کو پہنچ جائیے والسّلام

محمد اقبال

۱۴ راکتوبر ۱۹۳۳ء

۵۶

جناب مولینا، اسلام علیکم

اس سے پہلے ایک کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں اور ایک ملفوف خط بھی لکھ چکا ہوں، پاسپورٹ ۱۹ راکتوبر سے پہلے ہم سب کو مل جائیں گے۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ ہم ۲۰ راکتوبر کو لاہور سے صبح کی ٹرین میں پشاور کو روانہ ہوں، اور ۲۱ کی صبح کو کابل روانہ ہوں، جلدی اس واسطے ہے کہ نومبر میں وہاں سردی ہو جاتی ہے۔ سیّد راس مسعود ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیں گے۔ آپ بھی مہربانی کر کے ۱۹ کی شام کو لاہور پہنچ جائیے یا ۲۰ کی صبح کو ایسے وقت پہنچئے۔ کہ آپ ہمارے ساتھ ۲۰ کی صبح کے میل ٹرین میں سوار ہو سکیں قونصل خانہ سے جو آدمی ہمارے ہمراہ جائے گا، وہ بھی لاہور ہی سے ساتھ ہوگا، زیادہ کیا عرض کر دوں جب ملاقات ہوگی تو مفصّل عرض کروں گا۔ اس انتظام کے لیے قونصل

جنرل صاحب کو اطلاع دے دی ہے، والسّلام

مخلص، محمد اقبال

۱۴ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

۵۷

جناب مکرم، السّلام علیکم

آپ کا تار کل ملا جس سے معلوم ہوا کہ ۱۷ر اکتوبر تک آپ کو پاسپورٹ نہیں مل سکا۔ ممکن ہے ۱۸ یا ۱۹ تک مل جائے۔ ہم یعنی سیّد راس مسعود اور میں ۲۰ کی صبح کو لاہور سے روانہ ہوں گے۔ تمام انتظامات مکمل ہو چکے ہیں اگر آپ ۲۱ کی صبح تک بھی پشاور پہنچ سکیں تو خوب ہے۔ ڈین ہوٹل میں رات بسر ہو گی، یہ ہوٹل پشاور چھاؤنی کے اسٹیشن سے بالکل قریب ہے۔ آپ وہیں کے پتے پر ہم کو تار دیدیں، ہم آپ کی گاڑی کا انتظار کریں گے۔ اور اسٹیشن پر آپ کے لیے آدمی بھیج دیا جائے گا۔ اگر آپ کل شام یا ۲۰ کی صبح لاہور پہنچ سکیں تو ٹکٹ صرف لاہور ہی تک کا خرید کریں، جیسا کہ میں پہلے تار دے چکا ہوں اگر یہ ممکن نہ ہو تو ٹکٹ پشاور چھاؤنی اسٹیشن تک کا خرید کریں۔ آپ کے تمام مصارف ادا کئے جائیں گے۔ امید کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ اور آپ کی معیت سے ہم سب مستفیض ہوں گے۔ والسّلام

محمد اقبال، لاہور

۱۸ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

۵۸

لاہور

۱۸ر نومبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب قبلہ مولینا، السّلام علیکم

معارف سے معلوم ہُوا کہ آپ مع الخیر وطن پہنچ گئے۔

یہ عریضہ حضرت محی الدین ابن عربی کے مسئلہ زمان و مکان کی تلخیص کی یاد دہانی کے لیے لکھتا ہُوں۔ مجھے چند روز تک اس کی ضرورت پڑے گی، اس واسطے التماس ہے کہ اِدھر جلد توجہ فرما کر مجھے ممنون فرمائیے۔

شاہ نادر کی شہادت کا قلق ہُوا، خدا تعالیٰ اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ انشاءاللہ افغانستان میں امن و امان رہے گا۔ مَیں نے شاہ ظاہر کو تار دے دیا تھا، جس کا جواب پرسوں موصول ہوا۔ صدر اعظم صاحب کا تار بھی آیا تھا۔ امید کہ آپ نے بھی ان کو تعزیت کا تار دیا ہوگا، زیادہ کیا عرض کروں۔

امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

محمد اقبال

۵۹

لاہور

۹؍دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی، السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اُس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا، الحمدللہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہُوا۔

مولوی نورالاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کتب خانہ سے آگئی ہے، اب آپ کے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے، امید ہے کہ آپ ادھر جلد توجہ فرما کر مجھے شکر گذاری کا موقع دیں گے، زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

۶۰

لاہور

۱۵ر دسمبر ۱۹۳۳ء

مخدومی جناب مولینا، السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے۔ تلخیص کے لیے نہایت شکر گذار ہوں، مگر اسے پڑھ کر میرے دل میں ایک خیال یا سوال پیدا ہوا ہے، جس کا پوچھنا ضروری ہے۔

اگر دہر ممتد اور مستمر ہے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو پھر مکان کیا چیز ہے؟ جس طرح مکان بھی دہر ہی کا عکس ہونا چاہیے۔ یا یوں کہئے کہ زمان و مکان دونوں کی حقیقتِ اصلیہ دہر ہی ہے، کیا یہ خیال محی الدین ابن عربی کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے؟ اس کا جواب شاید فتوحات ہی میں ملے۔ مہربانی کر کے تھوڑی سی تکلیف اور گوارا فرمائیے اور دیکھئے کہ کیا انہوں نے مکان پر بھی کچھ بحث کی ہے اور اگر کی ہے تو مکان اور دہر کا تعلق ان کے نزدیک کیا ہے، اس زحمت کے لیے معافی چاہتا ہوں، اور جواب جہاں تک ہو جلد مانگتا ہوں۔

مَیں نے زمان و مکان کے متعلق تھوڑا سا مطالعہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے اور اس غور و فکر کی تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں آپ کو چاہیے کہ اس کام کو اپنی زندگی کے اہم مقاصد میں شمار کریں۔ جواب کا انتظار رہے گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

۶۱

لاہور

۱۵؍جنوری ۱۹۳۴ء

مخدومی، السلام علیکم

دُنیا اس وقت عجیب کشمکش میں ہے، جمہوریت فنا ہو رہی ہے، اور اس جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے۔ جرمنی میں مادی قوت کی پرستش کی تعلیم دی جا رہی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف پھر ایک جہادِ عظیم ہو رہا ہے، تہذیب و تمدّن (بالخصوص یورپ میں) بھی حالت نزع میں ہے، غرض کہ نظامِ عالم ایک نئی تشکیل کا محتاج ہے۔ ان حالات میں آپ کے خیال میں اسلام اس جدید تشکیل کا کہاں تک ممد ہو سکتا ہے۔ اس مبحث پر اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیے۔ اور اگر کوئی کتابیں ایسی ہوں جن کا مطالعہ اس ضمن میں مفید ہو تو ان کے ناموں سے آگاہ فرمائیے۔ والسّلام

محمد اقبال

۶۲

لاہور

۲۴؍جنوری ۱۹۳۴ء

مخدوم و مکرم، السّلام علیکم

کچھ روز ہوئے ایک عریضہ لکھا تھا، غالباً آپ کی عدیم الفرصتی جواب سے مانع رہی۔ اس خط کے جواب کا انتظار ہے۔

کل میں آپ کے پرانے خطوط پڑھ رہا تھا، جو میرے پاس محفوظ ہیں۔ ان میں سے ایک خط میں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اسلامی ریاست کے امیر کو اختیار ہے کہ جب اُسے معلوم ہو کہ بعض شرعی اجازتوں میں فساد کا امکان ہے تو ان اجازتوں کو منسوخ کر دے عارضی طور پر،

یا مستقل طور پر، بلکہ بعض فرائض کو بھی منسوخ کر سکتا ہے، اس وقت آپ کا خط میرے سامنے نہیں ہے۔ حافظے سے لکھ رہا ہوں کیا یہ بات صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو اس کا حوالہ کہاں سے ملے گا؟ مہربانی کر کے اس کتاب کا پتہ دیجیے جس میں یہ مسئلہ درج ہے۔

۲ - کیا یہ صحیح ہے کہ متعہ (نکاحِ موقت) حضرت عمرؓ سے پہلے مسلمانوں میں مروج تھا، اور حضرت عمرؓ نے اُسے منسوخ کر دیا نیز زمانہ حال کا کوئی امیر بھی کسی امر کی نسبت کرنے کا مجاز ہے؟

سفرنامہ کابل بہت دلچسپ ہے۔ ممکن ہے آپ کو وہاں ایک دفعہ پھر جانا پڑے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہے والسّلام

مخلص محمد اقبال

۶۳

لاہور

یکم فروری ۱۹۲۵ء

جناب مولانا، السلام علیکم

۱ - آپ کا والا نامہ ابھی ہے جس کے لیے بہت شکر گذار ہوں۔ میں نے آپ کا پہلا خط پھر دیکھا ہے، آپ نے جو کچھ لکھا ہے درست ہے۔ مگر میں ان معاملات کی ایک فہرست چاہتا ہوں جن کے متعلق رائے قائم کرنا 'امام' کے سپرد ہے۔ جرائم میں ایسے جرم ہیں جن کی تعزیر غالباً قرآن شریف میں مقرر ہے، اُن کے متعلق امام کیونکر رائے دے سکتا ہے؟

۲ - آپ فرماتے ہیں کہ تواترِ عمل کی ایک مثال نماز ہے۔ مالکیوں اور حنفیوں اور شیعوں میں جو اختلاف صورت نماز میں ہے وہ کیونکر ہوا؟

۳ - ایک اور سوال پوچھنے کی جرأت کرتا ہوں:

(۱) احکام منصوصہ میں توسیع اختیارات امام کے اصول کیا ہیں؟

(۲) اگر امام توسیع کر سکتا ہے تو کیا ان کے عمل کو محدود بھی کر سکتا ہے، اس کی کوئی تاریخی مثال ہو تو واضح فرمائیے۔

(۳) زمین کا مالک قرآن کے نزدیک کون ہے؟ اسلامی فقہا کا مذہب اس بارے میں کیا ہے؟ قاضی مبارک میں شاید اس کے متعلق کوئی فتویٰ ہے، وہ فتویٰ کیا ہے؟

(۴) اگر کوئی اسلامی ملک (روس کی طرح) زمین کو حکومت کی ملکیت قرار دے تو کیا یہ بات شرعِ اسلامی کے موافق ہوگی یا مخالف؟ اس مسئلہ کا سیاست اور اجتماع معاشرت سے گہرا تعلق ہے، کیا یہ بات بھی رائے امام کے سپرد ہوگی؟

(۵) صدقات کی کتنی قسمیں اسلام میں ہیں؟ صدقہ اور خیرات میں کیا فرق ہے؟ تکلیف تو آپ کو ان سوالات کے جواب میں ہوگی، مگر مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس زحمت کے لیے معاف فرمائیں گے۔

تعلیمی مشورت کے لیے جو جلسے آپ کے آنے سے پہلے ہوئے ان کے متعلق کچھ نوٹ سید راس مسعود نے تھے ان کی خدمت میں ہم دونوں کے علاوہ سردار فیض محمد خاں وزیر خارجہ اور افغانی تعلیمی بورڈ کے ممبر اور غالباً ترکی تعلیمی مشیر شامل تھے، سردار خان کے خطوط بھی آئے تھے والسّلام

مخلص محمد اقبال

۶۴

لاہور

۶ ر ستمبر ۱۹۳۴ء

مخدومی مولٰنا، السّلام علیکم

یہ خط اعظم گڈھ کے پتہ پر لکھتا ہوں، معلوم نہیں کہ آپ ابھی علی گڈھ ہی میں ہیں یا

وہاں سے واپس آگئے۔ راغب اصفہانی نے مفردات میں لفظ نبی کی تشریح میں لکھا ہے کہ لفظ نبی کے دو معنی ہیں۔ خبر دینے والا، اور مقام بلند پر کھڑا ہونے والا، اوّل الذکر نبی ہمزہ کے ساتھ اور دوسرا بغیر ہمزہ کے، اس ضمن میں راغب نے ایک حدیث بھی نقل کی ہے۔ یعنی حضور رسالتمآب نے فرمایا کہ مَیں نبی بغیر ہمزہ کے ہُوں۔ یہ حدیث صحاح ستّہ میں ہے یا نہیں۔

۱۔ قرآن شریف میں جن انبیاء کا ذکر ہے اُن میں کون سے نبی بالہمزہ ہیں، اور کون سے بغیر ہمزہ؟ یا سب کے سب بغیر ہمزہ ہیں؟

۲۔ لفظ نار کا روٹ عربی زبان میں کیا ہے؟

۳۔ لفظ نجات کا روٹ کیا ہے، اور روٹ کے رو سے اس کے معنی کیا ہیں؟ غالباً راغب ہی نے لکھا ہے کہ اس کے معنی بلندی کے ہیں۔

نمبر ایک میں جو سوال مَیں نے لکھا ہے وہ بڑا اہم ہے۔ کیونکہ اگر قرآنی انبیاء یا حضور رسالت مآب نبی بغیر ہمزہ ہیں تو لفظ نبی کا انگریزی ترجمہ PROPHET جس کے معنی خبر دینے والا کے ہیں، کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

امید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔

آپ کا سفر نامۂ افغانستان خوُب ہے، لوگوں نے بہت پسند کیا۔ ہاں ایک ضروری بات یاد آگئی، یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہؒ کے تفہیماتِ الٰہیہ کی دُوسری جلد ہے، جو شاہ عاشق حسین (شاگرد شاہ ولی اللہ) کی لکھی ہُوئی ہے۔ کیا ندوہ کے کتب خانہ میں یہ کتاب موجُود ہے مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے وہ پہلی جلد ہے یا دوسری یا دونوں؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اُردو ترجمہ کا انتظام کیا ہے؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف میں اس کے اُردو ترجمہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

٦٥

بھوپال، شیش محل

۱۹ر جولائی ۱۹۳۵ء

مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب

السلام علیکم، مَیں گلے کے برقی علاج کے لیے کچھ مدت کے لیے بھُوپال میں مقیم ہُوں۔ اس خط کا جواب یہیں مذکورہ بالا پتہ پر عنایت فرمائیے۔

۱۔ کیا فقہ اسلامی کی رُو سے توہین رسُول قابل تعزیر جرم ہے اگر ہے تو اس کی تعزیر کیا ہے؟

۲۔ اگر کوئی شخص جو اسلام کا مدعی ہے یہ کہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کو حضور رسالت مآب پر جزوی فضیلت حاصل ہے اس واسطے کہ مرزا قادیانی ایک زیادہ متمدن زمانہ میں پیدا ہوئے ہیں تو کیا ایسا شخص توہینِ رسُول کے جُرم کا مرتکب ہے؟ بالفاظِ دیگر اگر توہین رسول جرم قابلِ تعزیر ہے تو عقیدۂ مذکور توہینِ رسُول کی حد میں آتا ہے یا نہیں؟

۳۔ اگر توہینِ رسول کی مثالیں کتب فقہ میں مذکور ہوں تو مہربانی فرماکر ان میں سے چند تحریر فرمائیے، کتاب کا حوالہ بقید صفحہ تحریر فرماکر ممنون فرمائیے۔

امید ہے کہ اس عریضہ کا جواب جلد ملے گا، زیادہ کیا عرض کروں، میری صحت پہلے سے بہتر ہے۔

امید ہے اس دفعہ کے علاج سے زیادہ فائدہ ہوگا۔

والسّلام

مخلص محمد اقبال۔ لاہور

حال وارد بھُوپال

۶۶

بھوپال، شیش محل

یکم اگست ۱۹۳۵ء

مخدوم مکرم جناب مولینا، السّلام علیکم

آپ کا والا نامہ مجھے ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

چند امور اور بھی دریافت طلب ہیں اُن کے جواب سے بھی ممنون فرمائیے۔

۱۔ تکملۂ مجمع البحار صفحہ ۸۵ میں حضرت عائشہ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ حضور رسالت مآب کو خاتم النبیین کہو، لیکن یہ نہ کہو کہ ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہوگا۔

مہربانی کر کے کتاب دیکھ کر یہ فرمائیے کہ آیا اس قول کے اسناد درج ہیں، اور اگر ہیں تو آپ کے نزدیک ان اسناد کی حقیقت کیا ہے؟ ایسا ہی قول دُرِّ منثور جلد پنجم صفحہ ۲۰۴ میں ہے، اس کی تصدیق کی بھی ضرورت ہے۔ مَیں نے یہاں بھوپال میں یہ کتب تلاش کیں افسوس اب تک نہیں ملیں۔

حجج الکرامہ صفحہ ۴۲۷ - ۴۳۱ حضرت مسیحؑ کے دوبارہ آنے کے متعلق ارشاد ہے۔

"من قال بسبب بنوتہ کفر حقا" اس قول کی آپ کے نزدیک کیا حقیقت ہے؟

۲۔ "لو عاش ابراھیم لکان نبیا" اس حدیث کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، نووی اسے معتبر نہیں جانتا۔ ملا علی قاری کے نزدیک معتبر ہے۔ کیا اس کے اسناد درست ہیں۔ بخاری کی حدیث واما مکم منکم میں واؤ حالیہ ہے کیا؟ اگر حالیہ ہو تو اس حدیث کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ مسیحؑ کے دوبارہ آنے سے مسلمانوں کو کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ جس وقت وہ آئیں گے مسلمانوں کا امام خود مسلمانوں میں سے ہوگا۔

۵۔ ختم نبوت کے متعلق اور بھی اگر کوئی بات آپ کے ذہن میں ہو تو اس سے آگاہ فرمائیے۔
زیادہ کیا عرض کروں، امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسّلام

مخلص
محمد اقبال

۶۷

بھوپال
۲۰ / اگست ۱۹۳۵ء

مخدومی، السّلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ ابھی ملا ہے، جس کے لیے سراپا سپاس ہوں۔
مَیں بھی یہاں حمیدیہ لائبریری اور بعض پرائیویٹ احباب سے کتابیں منگوا کر دیکھتا رہا۔ الحمد للہ کہ بہت سی باتیں مل گئیں۔ اِس مطالعہ سے مجھے بے انتہا فائدہ ہُوا، اور آپ کے خط نے تو اور بھی راہیں کھول دی ہیں۔
مَیں نے کبھی اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا۔ اس واسطے کوئی میرا رقیب نہیں اور نہ مَیں کسی کو اپنا رقیب تصوّر کرتا ہُوں، فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی، ہاں بعض مقاصد خاص رکھتا ہوں جن کے بیان کے لیے اس ملک کے حالات و روایات کی رُو سے مَیں نے نظم کا طریقہ اختیار کر لیا ہے، ورنہ

نہ بینی خیر ازاں مرد فرو دست
کہ بر من تہمتِ شعر و سخن بست

مخلص
محمد اقبال

۶۸

بھوپال

۲۳ر اگست ۱۹۳۳ء

مخدوم مکرم جناب مولینا، السلام علیکم

ایک عریضہ لکھ چکا ہوں، امید کہ پہنچ کر ملاحظۂ عالی سے گذرا ہوگا۔

ایک بات دریافت طلب رہ گئی تھی جواب عرض کرتا ہوں۔ کیا علمائے اسلام میں کوئی ایسے بزرگ بھی گذرے ہیں جو حیات و نزول مسیحؑ ابن مریمؑ کے منکر ہوں؟ اگر حیات کے قائل ہوں تو نزول کے منکر ہوں؟ معتزلہ کا عام طور پر اس مسئلہ میں کیا مذہب ہے؟

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا، مَیں ۲۸ر اگست کی شام کو رخصت ہو جاؤں گا۔ علاج کا کورس اس روز صبح ختم ہو جائے گا، اس خط کا جواب لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیے۔

والسلام

مخلص

محمد اقبال

۶۹

لاہور

۲ر اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی مولینا، السلام علیکم

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو صحت عطا فرمائی، آپ کا وجُود ہندوستان کے مسلمانوں کے لیے از بس ضروری ہے، اور مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخشا ہے تاکہ وہ تک آپ کے علوم سے مستفیض ہوتے رہیں۔

مَیں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب بدور البازغہ چھپ گئی ہے، مہربانی کر کے اُس کا ایک نسخہ وی، پی مجھے ارسال فرمائیے۔ اگر آپ کے ہاں نہیں ہے تو مہربانی کر کے جہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے وہاں سے منگوا دیجئے، یا اُن کو لکھ دیجئے کہ ایک نسخہ میرے لیے وی، پی کر دیا جائے۔ مجھے معلوم نہیں کہاں چھپی ہے اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ اس واسطے آپ کو تکلیف دی گئی ہے۔

موسیٰ جار اللہ کو آپ جانتے ہوں گے انہوں نے حال میں ایک کتاب عقائدِ شیعہ پر شائع کی ہے اس میں بعض لطائف ہیں جو بہت جاذبِ توجہ ہیں۔ والسّلام

مخلص

محمد اقبال

۷۰

لاہور

۷/اگست ۱۹۳۶ء

مخدومی، السّلام علیکم

والانامہ ابھی ملا ہے، آپ کی صحت کی خبر پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک زندہ و سلامت رکھے، میری صحت کی حالت بہ نسبت سابق بہتر ہے، گو آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ انشاء اللہ موسم سرما میں وہ انگریزی کتاب لکھنا شروع کر دوں گا جس کا وعدہ مَیں نے اعلیٰحضرت نواب صاحب بھوپال سے کر رکھا ہے۔ اس میں آپ کے مشورہ کی ضرورت ہے، بدور البازغہ بھی اسی مطلب کے لیے منگوائی ہے، اس کتاب میں زیادہ تر قوانینِ اسلام پر بحث ہوگی۔ کہ اس وقت اسی کی زیادہ ضرورت ہے، اس کے متعلق جو جو کتب آپ کے ذہن میں ہیں مہربانی کر کے اُن کے ناموں سے مجھے آگاہ

فرمائیے۔ اور یہ بھی فرمائیے کہ کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

الحمدلِلّٰہ کہ اب قادیانی فتنہ پنجاب میں رفتہ رفتہ کم ہو رہا ہے، مولینا ابوالکلام آزاد نے بھی دو تین بیان چھپوائے ہیں، مگر حال کے روشن خیال علماء کو ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے، اگر آپ کی صحت اجازت دے تو آپ بھی اس پر ایک جامع و نافع بیان شائع فرمائیے، مَیں بھی تیسرا بیان انشاءاللہ جلد لکھوں گا اس کا موضوع ہوگا، لفظ بروز کے متعلق اگر کوئی نکتہ آپ کے ذہن میں ہو، یا کہیں صوفیہ کی کتابوں میں اس پر بحث ہو تو اس کا پتہ دیجئے، نہایت شکرگذار ہوں گا۔

موسیٰ جاراللہ صاحب کی کتاب نہایت عمدہ ہے ملنے کا پتہ کتاب پر یہ لکھا ہے۔

مکتبہ الخانجی، شارع عبدالعزیز، مصر

امید کہ مزاجِ والا بخیر و عافیت ہوگا، والسّلام

مخلص

محمد اقبال

سید سلیمان ندوی اور اقبال

شذرات

لاہور میں ملاقاتیں

یہ لکھنے میں میرا دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہے کہ لاہور کے اہلِ علم اور اہلِ قلم نے اپنی برادری کے اس کمترین ممبر کو خوش آمدید کہنے میں پوری فیاضی کا ثبوت دیا۔ مولوی ظفر علی خان نے تو اپنے گھر مہمان ہی اُتارا اور یہ نامناسب بھی نہ ہُوا کہ ایک "دہقانی" ایک "زمیندار" کا مہمان بنا۔ ڈاکٹر اقبال سے یہ میری پہلی ظاہری ملاقات تھی اور مراسلت کی باطنی ملاقات تو ۱۹۱۴ء سے قائم ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کرم کیا کہ ملنے میں پیش دستی فرمائی۔ قیام گاہ میں آئے متعدد صحبتوں میں ساتھ رہے اور پھر خود اپنے کاشانہ میں مدعو کیا۔ جس کو وہ دار الفقر اور میں دار الاقبال کہوں گا۔

ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتوں میں شمعِ محفل تھے۔ انہوں نے تو "شمع اور شاعر" لکھا ہے۔ لیکن میں نے تو لاہور میں خود شاعر کو شمع دیکھا۔ اور قدر شناسوں کو اُس کا پروانہ پایا۔ ان کی صحبت

لاہور کے نوجوانوں کی دماغی سطح کو بہت بلند کر رہی ہے۔ ان کے فلسفیانہ نکات، عالمانہ افکار۔ شاعرانہ خیالات ان کی آس پاس کی دنیا کو ہمیشہ متاثر رکھتے ہیں۔ ان کی زمزمہ پردازیوں کا نیا مجموعہ زبورِ عجم کے نام سے عنقریب سامعہ نواز ہونے والا ہے۔ میں نے کہا کہ فلسفۂ عجم کے دشمن کو مناسب بھی یہی تھا کہ عجم کے ہاتھ میں زبور دے کر ان کے خیالی فلسفہ کو مزامیر داؤد کی دعاؤں سے بدل دے اور ان کے کانوں پر زبور کا "پردہ" رکھ کر قرآن کی نغمہ سنجیوں سے مانوس کر دے۔

پیامِ مشرق

ایک سال کا عرصہ ہُوا کہ معارف[1] نے یہ اطلاع شائع کی تھی کہ ڈاکٹر اقبال آج کل جرمن شاعر کے مغربی دیوان کے جواب میں ایک مشرقی دیوان مرتب کر رہے ہیں۔ ایک سال کے انتظار کے بعد ماہِ عید "پیامِ مشرق" بن کر نظر آیا۔ پیامِ مشرق مختلف اوزان و بحور میں مواعظ و حکم اور حقائق و معارف کا ایک بحرِ ذخار ہے۔ یقیناً یہ ڈاکٹر اقبال کے دماغ و قلم کا شہکار (ماسٹر پیس) ہے اور شاید اقبال بھی اس سے بہتر کبھی نہ کہہ سکیں گے۔ کبھی موقع سے اس کے متعلق ہم اپنے مفصل خیالات پیش کریں گے۔

معارف ماہ جون ۱۹۲۳ء صفحہ ۴۰۳

ماتمِ اقبال

وَقَعَتِ الْوَاقِعَۃُ آخر موت و حیات کی چند ہفتوں کی کشمکش کے بعد ڈاکٹر اقبال نے دنیائے فانی کو الوداع کہا۔

صفر کی انیسویں اور اپریل کی اکیسویں کی صبح کو عمر کی اکسٹھ بہاریں دیکھ کر اور شاعری کی دنیا

---

[1] خضرِ راہ پر نوٹ معارف مئی ۱۹۲۲ء

میں چالیس برس چہچہا کر یہ بلبلِ ہزار داستان اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔ وہ ہندوستان کی آبرو۔ مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھا۔ آج دنیا ان ساری عزتوں سے محروم ہوگئی۔ اور ایسا عارف، فلسفی، عاشقِ رسول، شاعر، فلسفۂ اسلام کا ترجمان اور کاروانِ ملت کا حُدی خوان صدیوں کے بعد پیدا ہُوا تھا اور شاید صدیوں کے بعد پیدا ہو۔ اور اُس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگِ درا اُس کی جانِ حزیں کی ہر آواز زبورِ عجم اور اُس کے دل کی ہر فریاد پیامِ مشرق۔ اس کے شعر کا ہر پرِ پرواز بالِ جبریل تھا۔ اُس کی فانی عمر گو ختم ہوگئی لیکن اُس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشاء اللہ باقی رہے گا۔ اُمید ہے کہ ملت کا یہ غم خوار شاعر اب عرشِ الٰہی کے سایہ میں ہوگا۔ اور قبول و مغفرت کے پھول اُس پر برسائے جا رہے ہوں گے۔ خداوندا اس کے دلِ شکستہ کو جو ملت کے غم سے رنجور تھا غم خواری فرما۔ اور اپنی ربانی نوازشوں سے اس کے قلبِ حزیں کو مسرور کر۔

مرحوم کی زندگی کا ہر لمحہ ملت کی زندگی کے لیے ایک نیا پیام لاتا تھا۔ وہ توحید کا خالص پرستار، دینِ کامل کا علمبردار اور تجدیدِ ملت کا طلبگار تھا۔ اُس کے رونگٹے رونگٹے میں رسولِ انام علیہ السلام کا عشق پیوست تھا اور اس کی آنکھیں جسمِ اسلام کے ہر ناسور پر اشکبار رہتی تھیں۔ اُس نے مستقبلِ اسلام کا ایک خواب دیکھا تھا۔ اس خواب کی تعبیر میں اُس کی ساری عمر ختم ہوگئی۔ ع

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

کہنے کو تو ہم میں ملت کے غمخواروں کی کمی نہیں اور نہ اُمت کے دوستداروں کی قلت۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ نئی تعلیم نے اپنے ساٹھ ستر برس کے طویل عرصہ میں دو ہی سچے مسلمان غمخوار پیدا کیے ایک محمد علی مرحوم اور دوسرا اقبال مرحوم۔ دونوں مرحوموں پر خدا کی بڑی رحمت ہو۔ ان کے

دلوں میں اسلام کا حقیقی سوز تھا اور رسولِ رحمت صلعم کے ساتھ سچا عشق ۔ نئے زمانہ کی جھوٹی آب و تاب اور نئے تمدن کی ظاہری چمک دمک سے ان کی آنکھیں خیرہ نہ تھیں ۔ آفتابِ اسلام کی ضیا باری کے مقابلہ میں اُن کے سامنے جدید تہذیب و تمدن اور زمانہ حال کی تجدیدات کی نئی روشنی مرِ شب کے مصنوعی نور سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی ۔

خدا ان کی قبروں کو اپنے نور سے بھر دے ۔

اقبال کی قومی شاعری بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ شروع ہوئی ۔ بیسویں صدی کے اس پیغام رساں نے اپنے اڑتیس برس کے شاعرانہ پیغاموں سے ملت کے نوجوانوں میں نئی اُمنگ بھر دی اور نئے سفر کے قطعِ منزل کے لیے ان میں نئے سرے سے ہمت پیدا کر دی ۔ اقبال کا یہ دعویٰ حرف حرف سچا تھا ۔

اقبال کا ترانہ بانگِ درا ہے گویا
ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

اقبال کی تصنیفات زمانہ میں یاد رہیں گی ۔ وہ اسلام کا غیر فانی لٹریچر بن کر انشاءاللہ رہے گا ۔ ان کی شرحیں لکھی جائیں گی تشریحیں کی جائیں گی ۔ نظریے ان سے بنیں گے ۔ ان کا فلسفہ تیار ہوگا ۔ اس کی دلیلیں ڈھونڈھی جائیں گی ۔ قرآن پاک کی آیتوں، احادیثِ شریفہ کے جملوں، مولانا رومی اور حکیم سنائی کے تاثرات سے اُن کا مقابلہ ہوگا ۔ اور اس طرح اقبال کا پیام اب دنیا میں انشاءاللہ زندہ رہے گا اور اقبال زندۂ جاوید ۔

اقبال صرف شاعر نہ تھا ۔ وہ حکیم تھا ۔ وہ حکیم نہیں جو ارسطو کی گاڑی کے قُلی ہوں یا

یورپ کے نئے فلاسفروں کے خوشہ چیں بلکہ وہ حکیم جو اسرارِ کلامِ الٰہی کے محرم اور رموزِ شریعت کے آشنا تھے۔ وہ نئے فلسفہ کے ہر راز سے آشنا ہو کر اسلام کے راز کو اپنے رنگ میں کھول کر دکھاتا تھا یعنی بادۂ انگور نچوڑ کر کوثر و تسنیم کا پیالہ تیار کرتا تھا۔

وفدِ کابل جن تین ممبروں سے بنا تھا۔ افسوس ہے کہ اس میں یکے با دیگرے دو چل دیئے۔ سر راس مسعود اور اقبال۔ اب صرف ایک رہ گیا اور معلوم نہیں کہ وہ بھی کتنے دن کے لیے ہے۔ آہ!

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند

مولانا شبلی مرحوم نے اقبال کو اُسی وقت پہچان لیا تھا جب ہنوز اُن کی شاعری کے مرغِ شہرت نے پر و بال پیدا نہیں کئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ حالی اور آزاد کی جو کرسیاں خالی ہوں گی۔ ان میں سے ایک اقبال کی نشست سے پُر ہو جائے گی۔ افسوس کہ آج اڑتیس برس کے بعد وہ کُرسی خالی ہو گئی اور اب اُس کے بھرنے کی کوئی صورت نہیں۔

اقبال: ہندوستان کا فخر اقبال؛ اسلامی دنیا کا ہیرو اقبال: فضل و کمال کا پیکر اقبال؛ حکمت و معرفت کا مجسمہ اقبال: کاروانِ ملت کا رہنما اقبال؛

رخصت رخصت: الوداع الوداع

سلام اللہ علیک و رحمۃ الی یوم التلاف۔

معارف مئی ۱۹۳۸ء

(صفحات۔ ۳۲۲،۲۴،۲۳)

تبصرے و انتقاد

رموز بے خودی

مدت سے ارادہ تھا کہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری پر ایک انتقادی نظر ڈالی جائے لیکن کثرت مشاغل اور قلت فرصت نے موقع نہ دیا، ابھی ان کی ایک مثنوی رموز بیخودی موصول ہوئی ہے، اس تقریب سے اب خیالات کے عرض کا کس قدر موقع مل گیا ہے۔

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے ڈاکٹر اقبال کی شاعری کا پبلک آغاز رسالۂ مخزن لاہور کے ساتھ ہوا، یہ رسالہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء کے قریب قریب نکلنا شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے ڈاکٹر اقبال کی پبلک شاعری کی عمر تقریباً ۱۶ برس ہے، اس عرصہ میں ان کی متعدد چھوٹی بڑی نظمیں شائع ہوئیں، جن میں سے اکثر کی اہل معنی نے داد دی، اور بعض پر اہل ظاہر نے گرفت کی۔

ابتدا سے ڈاکٹر اقبال کی زبان اشکال پسند اور ترکیب آفرین واقع ہوئی ہے، کبھی کبھی سہل

پسندی کے ثبوت کے لیے انھوں نے نہایت رواں اور آسان زبان میں نظمیں لکھیں، لیکن پھر وہ ڈاکٹر اقبال کے اشعار نہ رہے بلکہ ان کی حیثیت ایک عام اردو شاعر کے خیالاتِ موزوں کی رہ گئی۔

کائنات کے اسرار و حقائق کی تعلیم و تلقین کے لیے ہمیشہ سے چار راستے رہے ہیں، مذہب فلسفہ، تصوف اور شاعری، مذہب کی اصلی حیثیت ایک قانون اور فرمان شاہی کی ہے اس کی اس لیے چاہیے کہ خداوند عالم کا یہ حکم اور فرمان ہے، اور بندوں کو اس کی تسلیم سے چارہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ مصلحت اور حکمت پر بھی مبنی ہے، فلسفہ اپنی بنیاد دلائل اور برہان پر قائم کرتا ہے اور وہ انسان کی عقل اور دماغ کو مخاطب کرنا چاہتا ہے، گو اس کو اکثر مواقع ایسے ملتے ہیں جہاں استدلال اور برہان کی روشنی سے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہے، تصوف انسان کے ذوق باطن اور لذت وجدانی کو اپنا رہبر بناتا ہے، اور شاعری مخاطب کے انسانی، قومی، اخلاقی اور مذہبی جذبات کے سہارے کھڑی ہوتی ہے۔

سچ بولنا انسانیت کا اصلی جوہر ہے، لیکن یہ کہنا کہ سچ بولو کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ ہمیشہ سچ بولا کرو، یہ مذہب کی زبان ہے، سچ بولو کیونکہ سچائی سے انسان کی عزت برقرار اور جماعت پر اُس کا اعتماد قائم ہوتا ہے، فلسفہ کی بولی ہے، اور سچ بولو کہ سچائی سے دل میں ایک خاص قسم کی لذتِ نورانی حاصل ہوتی ہے، تصوف کی تعلیم ہے، اور سچ بولا کرو کہ تم اس قوم کے فرزند ہو جس نے صداقت اور راستی پر اپنی جانیں قربان کر دی ہیں، سچ بولو کہ فطرت ہمیشہ سچ بولتی ہے، پھول کی خوشبو کبھی ارادی غلطی سے اپنے کو بدبو نہیں کہتی، روشنی اپنے کو کبھی تاریکی نہیں کہہ سکتی، یہ دونوں شاعری کے محاورے ہیں۔

یہ مختلف راستے ہمیشہ سے الگ الگ تھے، لیکن سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی چند صدیوں کے بعد اسرائیلی پیغمبروں میں مذہب اور شاعری کی مخلوط راہیں نظر آتی ہیں، حضرت داؤد کی مزامیر حضرت سلیمان کی غزلوں اور اخیر زمانہ کے عبرانی پیغمبروں کے الہامی کلاموں میں، اور سب سے زیادہ

حضرت عیسیٰ کے مواعظ میں، مذہب اور شاعری دوش بدوش مصروف کارفرمائی ہیں۔

اسلام میں عربوں کا عنصر جب تک غالب رہا، یہ طریقے باہم مزج نہیں ہوئے عجمیت نے جو نتائج پیدا کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ تعلیم و تلقین کے یہ مختلف اسلوب ایک صف میں آگر انسان کو ہر راستہ سے متاثر کرنے لگے، پہلے یہ تھا کہ انسان اپنے ذوق اور مناسبت طبع کی بنا پر اُن میں سے ایک راستہ کو اپنے لیے انتخاب کر لیتا تھا، لیکن عجم کے صوفیوں نے دیکھا کہ اس طریقہ سے بہت کم تعداد ہماری گرفت میں آتی ہے انہوں نے چاروں کو ملاکر ایک کر دیا تاکہ ہر مخاطب انسان ان میں سے کسی ایک پر ضرور ہے کہ سر ڈال دے گا۔

ہمارے خیال میں حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جو اس طریقہ خاص کے موجد ہیں، اور اس کے بعد مولانا روم کے عہد میں یہ فن عروج کمال تک پہنچ جاتا ہے مولوی رومی نے اپنے سات دفتروں میں سات آسمانوں کے خزانے یکجا کر دیئے، اور چونکہ وقت کی چیز تھی، اس لیے اہلِ معنی میں اُس کی بے انتہا مقبولیت ہوئی، اور اب بھی وہ مقبول ہے، اور ایک حد تک اس نے ملک و قوم کو فائدہ پہنچایا، تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ چوتھی صدی سے لے کر دسویں صدی تک شعرائے باطن نے ہم کو جو کچھ سمجھایا، قرآن پاک اور حدیث قدسی کی جو کچھ تفسیریں انھوں نے کیں، ہمارے حاکمانہ غیظ و غضب، فاتحانہ جوش و خروش، اور مجاہدانہ زور و قوت کو اعتدال پر لانے کے لیے وہ ضروری تھا۔

لیکن اب حالت یہ ہے کہ ہمارے مشتعل قویٰ سرد ہو گئے، ہمارے خون کی گرمی محکومانہ برودت سے بدل گئی ہے، ہمارے قویٰ میں مفتوحانہ ضعف آگیا ہے، ایسی حالت میں اگر اسی پرانے نسخہ کا استعمال جاری رہا تو بر داطراف کے بعد شاید وہ برد قلب کا باعث ہو جائے، اور ہماری قومی زندگی کا ہمیشہ کے لیے خدانخواستہ خاتمہ ہو جائے، اس لیے ضرورت تھی کہ ہمارے اہل دل شعرا مثنوی مولوی روم کا ایک دوسرا نسخہ ہمارے لیے تیار کر دیں۔

تبصرے و انتقاد

رموز بے خودی

مدت سے ارادہ تھا کہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال کی شاعری پر ایک انتقادی نظر ڈالی جائے لیکن کثرت مشاغل اور قلت فرصت نے موقع نہ دیا، ابھی ان کی ایک مثنوی رموز بیخودی موصول ہوئی ہے، اس تقریب سے اب خیالات کے عرض کا کس قدر موقع مل گیا ہے۔

جہاں تک مجھے یاد آتا ہے ڈاکٹر اقبال کی شاعری کا پبلک آغاز رسالۂ مخزن لاہور کے ساتھ ہوا، یہ رسالہ ۱۹۰۲ء یا ۱۹۰۳ء کے قریب قریب نکلنا شروع ہوا تھا، اس لحاظ سے ڈاکٹر اقبال کی پبلک شاعری کی عمر تقریباً ۱۶ برس ہے، اس عرصہ میں ان کی متعدد چھوٹی بڑی نظمیں شائع ہوئیں، جن میں سے اکثر کی اہل معنی نے داد دی، اور بعض پر اہل ظاہر نے گرفت کی۔

ابتدا سے ڈاکٹر اقبال کی زبان اشکال پسند اور ترکیب آفرین واقع ہوئی ہے، کبھی کبھی سہل

پسندی کے ثبوت کے لیے انھوں نے نہایت رواں اور آسان زبان میں نظمیں لکھیں، لیکن پھر وہ ڈاکٹر اقبال کے اشعار نہ رہے بلکہ ان کی حیثیت ایک عام اردو شاعر کے خیالاتِ موزوں کی رہ گئی۔

کائنات کے اسرار و حقائق کی تعلیم و تلقین کے لیے ہمیشہ سے چار راستے رہے ہیں، مذہب فلسفہ، تصوف اور شاعری، مذہب کی اصلی حیثیت ایک قانون اور فرمان شاہی کی ہے اس کی اس لیے چاہیے کہ خداوند عالم کا یہ حکم اور فرمان ہے، اور بندوں کو اس کی تسلیم سے چارہ نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ وہ مصلحت اور حکمت پر بھی مبنی ہے، فلسفہ اپنی بنیاد دلائل اور برہان پر قائم کرتا ہے اور وہ انسان کی عقل اور دماغ کو مخاطب کرنا چاہتا ہے، گو اس کو اکثر مواقع ایسے ملتے ہیں جہاں استدلال اور برہان کی روشنی سے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہے، تصوف انسان کے ذوق باطن اور لذت وجدانی کو اپنا رہبر بناتا ہے، اور شاعری مخاطب کے انسانی، قومی، اخلاقی اور مذہبی جذبات کے سہارے کھڑی ہوتی ہے۔

سچ بولنا انسانیت کا اصلی جوہر ہے، لیکن یہ کہنا کہ سچ بولو کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ ہمیشہ سچ بولا کرو، یہ مذہب کی زبان ہے، سچ بولو کیونکہ سچائی سے انسان کی عزت برقرار اور جماعت پر اُس کا اعتماد قائم ہوتا ہے، فلسفہ کی بولی ہے، اور سچ بولو کہ سچائی سے دل میں ایک خاص قسم کی لذتِ نورانی حاصل ہوتی ہے، تصوف کی تعلیم ہے، اور سچ بولا کرو کہ تم اس قوم کے فرزند ہو جس نے صداقت اور راستی پر اپنی جانیں قربان کر دی ہیں، سچ بولو کہ فطرت ہمیشہ سچ بولتی ہے، پھول کی خوشبو کبھی ارادی غلطی سے اپنے کو بدبو نہیں کہتی، روشنی اپنے کو کبھی تاریکی نہیں کہہ سکتی، یہ دونوں شاعری کے محاورے ہیں۔

یہ مختلف راستے ہمیشہ سے الگ الگ تھے، لیکن سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی چند صدیوں کے بعد اسرائیلی پیغمبروں میں مذہب اور شاعری کی مخلوط راہیں نظر آتی ہیں، حضرت داؤد کی مزامیر حضرت سلیمان کی غزلوں اور اخیر زمانہ کے عبرانی پیغمبروں کے الہامی کلاموں میں، اور سب سے زیادہ

حضرت عیسیٰ کے مواعظ میں، مذہب اور شاعری دوش بدوش مصروف کارفرمائی ہیں۔

اسلام میں عربوں کا عنصر جب تک غالب رہا، یہ طریقے باہم مزج نہیں ہوئے عجمیت نے جو نتائج پیدا کئے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ تعلیم و تلقین کے یہ مختلف اسلوب ایک صف میں آگر انسان کو ہر راستہ سے متاثر کرنے لگے، پہلے یہ تھا کہ انسان اپنے ذوق اور مناسبت طبع کی بنا پر اُن میں سے ایک راستہ کو اپنے لیے انتخاب کر لیتا تھا، لیکن عجم کے صوفیوں نے دیکھا کہ اس طریقہ سے بہت کم تعداد ہماری گرفت میں آتی ہے انہوں نے چاروں کو ملا کر ایک کر دیا تاکہ ہر مخاطب انسان ان میں سے کسی ایک پر ضرور ہے کہ سر ڈال دے گا۔

ہمارے خیال میں حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جو اس طریقہ خاص کے موجد ہیں، اور اس کے بعد مولانا روم کے عہد میں یہ فن عروج کمال تک پہنچ جاتا ہے مولوی رومی نے اپنے سات دفتروں میں سات آسمانوں کے خزانے یکجا کر دیئے، اور چونکہ وقت کی چیز تھی، اس لیے اہل معنی میں اُس کی بے انتہا مقبولیت ہوئی، اور اب بھی وہ مقبول ہے، اور ایک حد تک اس نے ملک و قوم کو فائدہ پہنچایا، تاہم یہ ماننا پڑے گا کہ چوتھی صدی سے لے کر دسویں صدی تک شعرائے باطن نے ہم کو جو کچھ سمجھایا، قرآن پاک اور حدیث قدسی کی جو کچھ تفسیریں انھوں نے کیں، ہمارے حاکمانہ غیظ و غضب، فاتحانہ جوش و خروش، اور مجاہدانہ زور و قوت کو اعتدال پر لانے کے لیے وہ ضروری تھا۔

لیکن اب حالت یہ ہے کہ ہمارے مشتعل قویٰ سرد ہو گئے، ہمارے خون کی گرمی محکومانہ برودت سے بدل گئی ہے، ہمارے قویٰ میں مفتوحانہ ضعف آگیا ہے، ایسی حالت میں اگر اسی پرانے نسخہ کا استعمال جاری رہا تو برد اطراف کے بعد شاید وہ برد قلب کا باعث ہو جائے، اور ہماری قومی زندگی کا ہمیشہ کے لیے خدانخواستہ خاتمہ ہو جائے، اس لیے ضرورت تھی کہ ہمارے اہل دل شعراء مثنوی مولوی روم کا ایک دوسرا نسخہ ہمارے لیے تیار کر دیں۔

شعرائے حال میں ڈاکٹر اقبال کو اللہ تعالٰے نے اس ضرورت کے لیے چن لیا۔ انہوں نے اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر دو مثنویاں لکھیں، اسرارِ خودی اور رموزِ بیخودی، پہلی مثنوی میری نظر سے نہیں گذری، البتہ ردّاً و اعتراضاً اس کے بعض بعض ٹکڑے اخبارات میں دیکھے، اس سفر میں مجھے مسٹر محمد علی کی زبان سے اُس کے متعدد ابواب سننے کا موقع ملا، انھوں نے اس ذوق اور وجد کے ساتھ اس کے اشعار سنائے کہ میں سراپا اثر ہو گیا، شاعر نے جو کچھ کہا تھا اس کو ایک بہتر مفسر کی زبان سے سُن کر خود بخود اس کے اسرار و حکم کے عقدے وا ہونے لگے۔

اس وقت ہمارے پیش نظر اس مثنوی کا دوسرا حصہ رموزِ بیخودی ہے، یہ مثنوی چھوٹی تقطیع کے ۱۳۹ صفحہ میں عمدہ کاغذ پر اہتمام کے ساتھ چھپی ہے، زبان فارسی اختیار کی گئی ہے، اور یہ شاید اس لیے تاکہ اس کے فوائد ہندوستان کی دیواروں تک محدود نہ رہیں، بلکہ دنیا کی وہ تمام آبادی جس کی حیات ملی کو اس میں خطاب کیا گیا ہے اس کو سمجھ سکے،

زبان کے لحاظ سے میں ڈاکٹر اقبال کو ان شعراء میں گنتا ہوں جو معنوی محاسن اور باطنی خوبیوں کے مقابلہ میں الفاظ اور محاوروں کی ظاہری صحت کی پروا نہیں کرتے لیکن حق یہ ہے کہ اس ایک لغزشِ مستانہ پر ہزاروں سنجیدہ متین رفتاریں قربان ہیں، مصرعوں کے دروبست اور فصل و وصل میں قصور ممکن ہے، لیکن یہ ناممکن ہے کہ جو مصرع ڈاکٹر اقبال کی زبان سے نکل جائے وہ تیر و نشتر بن کر سننے والوں کے دل و جگر میں نہ اتر جائے، شاید اس کا سبب یہی ہے کہ ڈاکٹر اقبال اپنے مخاطب کے احساسات پر مذہب، فلسفہ، تصوّف، اور شاعری ہر راہ سے حملہ کرتے ہیں، اور اس لیے اختلاف مذاق کے باوجود ان مختلف راہوں میں سے کسی ایک سے بھی بچ کر نکل نہیں سکتا۔

زیر تقریظ مثنوی میرے خیال میں زبان کے لحاظ سے اسرارِ خودی سے بہتر ہے اور اصل معنی کے لحاظ سے دونوں میں یہ فرق ہے کہ اُس میں مظاہر سیاست بیشتر اور اس میں مذہب کے

عناصر زیادہ ہیں، لیکن منزل مقصود ایک ہے، اس وقت مسلمانوں میں دوبارہ زندگی پیدا کرنے کی جو تدبیریں اختیار کی جاری ہیں حکمائے ملت ان میں مسلمانوں کے مزاج قومی کی تشخیص نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے قومی مزاج کو جن لوگوں نے پہچانا ہے وہ صرف تین شخص ہیں۔ مولانا شبلی نے آخری تین سال کے کلام میں۔ مولانا ابوالکلام نے مجلداتِ الہلال میں اور ڈاکٹر اقبال نے اپنی ان دو مثنویوں میں۔ اور اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستے اوروں پر بھی مکشوف ہو رہے ہیں۔

رموزِ بے خودی، جس کا اصل مقصود "ملتِ اسلامیہ کے اسرارِ حیات کی تشریح" ہے۔

حسب ذیل عنوانوں پر منقسم ہے جس کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی راہِ ترقی کے حسب ذیل منازل ہیں۔

۱۔ افراد اور قوم میں باہمی نسبت۔

۲۔ قوم کی پیدائش افراد کی اجتماعی کیفیت سے ہوتی ہے اور اجتماعی کیفیت صرف نبوت کے یقین سے ہوتی ہے اور یہی یقین منتشر افراد کو ایک سلسلہ میں منسلک کر دیتا ہے۔

۳۔ ملت اسلامی کے اساسی ارکان میں سے پہلا رکن توحید ہے اور توحید کے معنی یہ ہیں کہ ایک ذاتِ برتر کے آگے اپنے کو ہیچ اور بے مقدار جان کر تمام دنیا سے بے خوف اور نڈر ہو جانا۔

۴۔ جس طرح ایک فرد کے لیے آخری لمحۂ حیات وہ ہے جب وہ اپنے وجود سے مایوس اور نااُمید ہو جائے۔ اسی طرح قوموں کی زندگی کے خاتمہ کا دن وہ ہے جب وہ اپنے قومی سے نااُمید اور مایوس ہو جائیں۔ مسلمانوں کی قوم میں آج جو افسردہ دلی اور موت سی نظر آتی ہے وہ اسی حزن وملال اور یاس کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں کو یہ چیزیں اپنے دل سے صاف نکال دینی چاہئیں۔ اور اس میں کامیابی صرف تکمیل ایمان سے ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کی آیتِ مبارکہ لا تقنطوا من رحمة الله اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے پیغمبروں کو بھی اسے لا تخف لا تحزن اور مسلمانوں کو لا خوف علیهم ولا هم یحزنون کی تعلیم دی گئی ہے

۵ - ملت کا دوسرا رکن اساسی، اقرار رسالت ہے، اور بغیر اس کے جیسا پہلے اشارہ کیا گیا، قومیت کا شیرازہ نہیں بندھتا،

اس کے بعد شاعر نے نہایت عمدہ پیرایہ د قصص و حکایات میں حسب ذیل امور کی تشریح کی ہے۔

۱ - حکایت بو عبید در معنی اخوت اسلامیہ۔

۲ - حکایت سلطان مراد در معنی مساوات اسلامیہ۔

۳ - در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا۔

۴ - در معنی اینکہ چون ملت محمدیہ موسّس بر توحید و رسالت است، پس نہایت مکانی ندارد (یعنی اس کی جغرافی تحدید نہیں ہو سکتی، بلکہ تمام دنیا اس میں شامل ہو سکتی ہے۔

۵ - در معنی اینکہ ملت محمدیہ نہایت زمانی ہم ندارد کہ دوام این ملت شریفہ موعود است، (اس کے یقین سے مسلمانوں کا حزن و یاس دور ہوگا)

۶ - در معنی اینکہ نظام ملت غیر از آئین صورت نہ بندد و آئین ملت محمدیہ قرآن است،

۷ - در معنی اینکہ پختگی سیرت ملّیہ از اتباع آئین الہیہ است۔

۸ - در معنی اینکہ حسن سیرت ملّیہ از تادّب بآداب محمدیہ است۔

۹ - در معنی اینکہ حیات ملّیہ مرکز مشہود (محسوس) می خواہد، و مرکز (محسوس) ملت اسلامیہ بیت الحرام است۔

۱۰ - در معنی اینکہ جمعیت حقیقی از محکم گرفتن نصب العین ملّی است و نصب العین محمدیہ حفظ و نشر توحید است۔

۱۱ - در معنی اینکہ توسیع حیات ملّیہ از تسخیر قوائے نظام عالم است۔

۱۲ - در معنی اینکہ کمال حیات ملیہ این است کہ ملّت مثل فرد احساس خودی پیدا کند و تکمیل

این احساس، از ضبط روایات ملیہ ممکن گردد۔

۱۳۔ درمعنی اینکہ بقائے نوع از امومت است و حفظ و احترام امومت اصل اسلام است۔

۱۴۔ درمعنی اینکہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا اسوۂ کاملہ است برائے نساء اسلام۔

۱۵۔ خلاصۂ مطالب مثنوی در تفسیر سورۂ اخلاص است۔

شاعر نے ان مطالب پانزدہ گانہ میں سے ہر ایک کو واقعات، حکایات اور آیات قرآن و حدیث سے محکم کیا ہے، قرآن مجید کی آیتیں نہایت خوبی سے اس مثنوی کا نگینہ بنی گئی ہیں۔ جہاں تک ہمارے مطالعہ نے کام دیا ہے، احادیث میں دفعہ ۱۴ کے علاوہ اور تمام واقعات صحیح ماخذوں سے لیے گئے ہیں۔

مثنوی کے ابتدائی ابیات جن کا عنوان "پیشکش بحضور ملت اسلامیہ" ہے، یہ ہیں۔

اے ترا حق زبدۂ اقوام کرد — ختم بر تو دورۂ ایام کرد
اے مثال انبیا، پاکانِ تو — ہمگر دلہا، جگر چاکانِ تو
اے بعشق دیگراں دل باختہ — جلوہ ہائے خویش را نشناختہ
اے فلک مشتِ غبار کوے تو — "اے تماشا گاہِ عالم روے تو"
ہمچو موج آتش تہ پا میر دی — "تو کجا بہر تماشا می روی"
اے نظر بر حسنِ ترسا زادہ — اے زراہِ کعبہ دور افتادہ
رمز سوز، آموز از پروانہ را — در شرر تعمیر کن کاشانہ را

یہ مثنوی بھی ڈاکٹر اقبال کی دوسری نظموں کی طرح تعقید لفظی اور معنوی سے بری نہیں تاہم بعض مقامات پر مسلسل اشعار اس قدر رواں اور سلیس البیانی کے ساتھ موثر ہیں کہ بار بار ان کے پڑھنے کو جی چاہتا ہے، خوف و یاس کی برائی میں لکھتے ہیں۔

از دمش میرد قوائے زندگی — خشک گردد چشمہائے زندگی

خفته با غم در تهِ یک چادر است ... غم، رگ جان را مثال نشتر است
ایکه در زندان غم باشی اسیر ... از نبی تعلیم لا تحزن بگیر
این سبق، صدّیق را صدّیق کرد ... سرخوشش از پیمانه تحقیق کرد
گر خدا داری ز غم آزاد شو ... از خیال بیش و کم آزاد شو
دشمن ترسان اگر بیند ترا ... از خیابانت چو گل چیند ترا
ضرب تیغِ او قوی تر می فتد ... هم نگاهش مثل خنجر می فتد
بیم چون بند است اندر پائے ما ... ورنه صد سیل است در دریائے ما
هر شر پنهان که اندر قلب تست ... اصل او بیم است اگر بینی درست
لابه و مکاری و کین و دروغ ... این همه از خوف میگیرد فروغ
پردهٔ زور و ریا پیراهنش ... فتنه را آغوش مادر دامنش
هر که رمز مصطفیٰ فهمیده است ... شرک را در خوف مضمر دیده است

اتباع شریعت کے باب میں لکھا ہے۔

ایکه باشی حکمت دین را امین ... با تو گویم نکتهٔ شرعِ مبین
چون کسے گردد مزاحم بے سبب ... با مسلمان در ادائے مستحب
مستحب را فرض گردانیده اند ... زندگی را عین قدرت دیده اند
روز هیجا لشکر اعدا اگر ... از خیال صلح گردد بے خطر
گیرد آسان روزگار خویش را ... بشکند حصن و حصار خویش را
سرّ این فرمان حق دانی که چیست ... زیستن اندر خطرها زندگیست
شرع می خواهد که چون آئی بجنگ ... شعله گردی واشگافی کام سنگ
آزماید قوتِ بازوے تو ... می نهد الوند پیش روے تو

باز گوید سرمہ ساز الوند را   از تفِ خنجر گداز الوند را
نیست پیشِ ناتوانے لاغرے   در خورِ سرپنجۂ شیر نرے
باز چوں ما صعوہ خوگر می شود   از شکارِ خود زبون تر می شود
خستہ باشی استوارت می کند   پختہ مثلِ کوہسارت می کند
ہست دین مصطفےٰ دین حیات   شرع او تفسیر آئینِ حیات
گر زمینی آسمان سازد ترا   انچہ حق می خواہد آن سازد ترا
صیقلش آئینہ سازد سنگ را   از دل آہن رباید زنگ را

اسی طرح تمام بیان مسلسل، بلند اور پراثر ہے۔

ڈاکٹر اقبال نے عالمگیر اور اکبر کی نسبت اپنا جو خیال ضمناً ظاہر کیا ہے، اب اکثر ارباب فکر اسی نتیجہ پر ہیں:

شاہ عالمگیر گردون آستان   اعتبار دودمان گورکان
پایۂ اسلامیان برتر ازو   احترام شرع پیغمبر ازو
درمیان کارزار کفر و دین   ترکشِ ما را خدنگِ آخرین
تخم الحادے کہ اکبر پرورید   باز اندر فطرت دارا دمید
شمع دل در سینہ ہا روشن نبود   ملتِ ما از فساد ایمن نبود
حق گزید از ہند عالمگیر را   آن فقیر صاحب شمشیر را
برقِ تیغش خرمن الحاد سوخت   شمع دین در محفل ما بر فروخت
کور ذوقان داستانہا ساختند   وسعت ادراک او نشناختند
شعلۂ توحید را پروانہ بود   چون براہیم اندرین بتخانہ بود

اسی طرح مثنوی کے اکثر ابواب میں مذہبی حقائق فلسفیانہ تشریح کے ساتھ صوفیانہ رنگ

میں شعر بنتے چلے گئے ہیں ۔

ایک بالغ نظر شخص اس مثنوی میں الفاظ کی صحت یا صحیح فارسی معنی میں ان کے استعمال کی صحت میں شک اور بعض فارسی محاوروں کی گرفت کر سکتا ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ اقبال کے شاعرانہ خیالات میں اتنی تیز روانی ہے کہ یہ خس وخاشاک اس کی خوبی و لطافت میں مزاحم نہیں ہو سکتے، اسی لیے اس تقریظ میں ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی، نکتہ چینی اور حرف گیری بہت ہو چکی، اب کچھ سوچنا اور سمجھنا بھی چاہیے، اور یہی اس مثنوی کا اہم المطالب ہے ۔

علاوہ ازیں ڈاکٹر اقبال نے جو اسرار و نکات اس میں حل کیے ہیں، ان کی بنا پر یہ مثنوی نہ صرف شاعری اور فن قومیات کا ایک رسالہ ہے، بلکہ ہمارے خیال میں جدید علم کلام کی ایک بہترین کتاب ہے، توحید کا ثبوت، رسالت کی ضرورت، قرآن پر ایمان رکھنے کا سبب، قبلہ کی حاجت وغیرہ اعتقادی مسائل پر نہایت پر اثر اور تشفی بخش دلائل اس کے اندر موجود ہیں ۔

(سید سلیمان ندوی)

خضرِ راہ

ڈاکٹر اقبال نے مدت کے بعد امسال انجمن حمایتِ اسلام لاہور میں اپنی زبان کھولی اور ایک نظم موسوم بہ "خضرِ راہ" لوگوں کو پڑھ کر سنائی[لہ] یہ نظم ابھی چھپ کر شائع نہیں ہوئی تھی کہ ہمارے لاہور کے ایک دوست غلام جیلانی صاحب نے اپنے وجد و شوق کے عالم میں اس نظم کی ہم سے تقریب کی اور ہمارے سامنے اُس ذوق و اثر کی تصویر کھینچی جو اس نظم کے پڑھتے وقت متکلم اور مخاطب دونوں پر طاری تھا۔

شاعر نے اس نظم میں خضر کو اپنا پیر و مرشد بنا کر تمام موجودہ واقعات کے متعلق اُن سے کشفِ حقائق کرائے ہیں۔ پہلے خضر نے خود اپنی حیاتِ جاوداں کی حقیقت ظاہر کی۔ پھر "زندگی" کیا ہے۔ اس کی تفسیر کی ہے۔ "سلطنت و حکومت" کیا چیز ہے اور موجودہ نظامہائے حکومت کی کیا اصلیت

لہ منشی طاہر الدین صاحب انار کلی لاہور نے اس نظم کو چھوٹی تقطیع پر خوشخط چھاپا ہے۔ قیمت ۴ر رکھی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اس نظم کا ایک اعلیٰ ایڈیشن با تصویر شائع کریں۔ بشرطیکہ پانچ ہزار درخواستیں اس کے لیے اُن کے پاس آئیں۔ قیمت دو روپے ہوگی۔ شائقین کو چاہیے کہ اُن کی حوصلہ افزائی کریں۔

ہے اس پر بحث کی ہے۔ اس کے بعد "سرمایہ و مزدور" یا بالشوزم پر گفتگو کی ہے۔ آخر میں "دنیائے اسلام" کو مخاطب کیا ہے۔ اور پیش آمدہ واقعات کو آئندہ کامیابیوں کا مقدمہ اور تمہید بتایا ہے۔

ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم گو جوشِ بیان میں اُن کی پچھلی نظموں سے کم نہیں لیکن اس کی حیثیت سے تعقید اور فارسیت میں بھی کمی ہے۔ اُن کی شاعری کا اصلی جوہر فلسفہ اور تخیل کی مصالحانہ آمیزش ہے اور اُن کی یہ خصوصیت اس نظم میں نمایاں ہے۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے جب یہ نظم جلسہ میں پڑھنا شروع کی تو مجلس پر اِک سماں بندھ گیا۔ اکثر شعروں پر سامعین کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ لیکن نظم کے دو مصرعوں نے خود شاعر کی آنکھوں کو اشک بار کر دیا۔

۱۔ ؏ بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفٰےؐ

۲۔ ؏ ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو

ہم کو نظم کے جس شعر نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھا۔

ے لے گئے تثلیث کے فرزند میراثِ خلیل
خشتِ بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

ڈاکٹر اقبال کی یہ نظم ایسی ہے کہ اس کی شرح لکھنی چاہیے۔ ذیل میں ہم اس نظم کے چند منتخب اشعار اور بند نقل کرتے ہیں۔ شائقین کو چاہیے کہ اصل نظم منگوا کر مطالعہ کریں۔

اِس تقریب سے ہم ناظرین کو ایک اور خوشخبری سنانا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال ملک کے ان پُرشور ایام میں خاموش نہیں رہے ہیں۔ جرمنی کے ایک شاعر گوئٹے نے اپنے جس مجموعۂ اشعار کا نام "مشرقی دیوان" رکھا ہے مغرب کا مشرق پر اب تک یہ قرض چلا آتا تھا۔ ہمارا "مشرقی شاعر" اب اس قرض کے بارے مشرق کو سبکدوش کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جیسا ڈاکٹر صاحب کے والا نامہ موسومہ ایڈیٹر معارف سے معلوم ہوا کہ اُنہوں نے گوئٹے کے جواب میں فارسی اشعار کا ایک مجموعہ لکھا ہے جو عنقریب شائع ہوگا۔ اس کے دیباچہ میں ڈاکٹر اقبال یہ دکھائیں گے کہ فارسی

لٹریچر نے جرمن لٹریچر پر کیا اثر ڈالا ہے۔ ابھی گذشتہ مشرقی کانفرنس کلکتہ میں ڈاکٹر جیون جی جمشید جی نے تقریباً اسی موضوع پر ایک مضمون پڑھا تھا۔ اُمید ہے کہ ڈاکٹر اقبال کا قلم اُن سے زیادہ سیراب کُن ہوگا۔ اس منشورِ تمہید کے ظلمات کو طے کر کے اب ناظر۔بن خضرِ راہ کی طرف توجہ کریں۔

(معارف مئی ۱۹۲۲ء : صفحات ۳۷۶،۷۷،۷۸)

اس کے بعد "زندگی" "سلطنت" اور "دنیائے اسلام" کے بند تحریر کئے گئے ہیں۔

(بانگِ درا ۲۹۲ تا ۲۹۷، ۲۹۹ تا ۳۰۳)

(معارف مئی ۱۹۲۲ء صفحات: ۸۱-۳۷۸)

○

سیرِ افغانستان

اقبال، ایک ہم سفر؛

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ نے ہندوستان کے تین بزرگوں کو دعوت دی۔ ان میں حضرت علامہ اقبال۔ سید سلیمان ندوی اور سر راس مسعود شامل تھے۔ افغانستان روانگی سے قبل علامہ اقبال نے سید سلیمان ندوی سے پروگرام طے کیا اور مختلف خطوں میں اس کی تفصیلات طے کیں۔ ان خطوط کی تفصیل یہ ہے۔

خط نمبر ۴۹	۱۰ ستمبر ۱۹۳۳
خط نمبر ۵۰	۱۷ ستمبر ۱۹۳۳
خط نمبر ۵۱	۵ اکتوبر ۱۹۳۳
خط نمبر ۵۲	۹ اکتوبر ۱۹۳۳
خط نمبر ۵۳	۱۱ اکتوبر ۱۹۳۳

خط نمبر ۵۴ ۱۳ را کتوبر ۱۹۳۳

خط نمبر ۵۵-۵۶ ۱۴ را کتوبر ۱۹۳۳

خط نمبر ۵۷ ۱۸ را کتوبر ۱۹۳۳

یہ تینوں بزرگ افغانستان تشریف لے گئے۔ ہندوستان میں ان کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی گئیں۔ چنانچہ انہوں نے اس سلسلے میں دو بیانات دیئے جو یہ تھے۔

شاہِ افغانستان نے ہمیں (ڈاکٹر اقبال۔ سر راس مسعود۔ سید سلیمان ندوی) اس لیے دعوت دی تھی کہ ہم وہاں وزیرِ تعلیم کو کابل میں یونیورسٹی کے قیام کے سلسلے میں مشورہ دیں [1]

سب سے پہلے جو قابلِ ذکر چیز ہمیں نظر آئی وہ یہ ہے کہ افغانستان کے لوگوں کے جان و مال بالکل محفوظ ہیں [2]

افغانستان سے واپسی پر مولانا سید سلیمان ندوی نے سفر نامہ کے طور پر معارف میں سیرِ افغانستان کے نام سے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ چونکہ علامہ اقبال اور سر راس مسعود اُن کے ہمسفر تھے اس لیے اُن کے متعلق بھی بہت سی باتیں درج ہیں۔ سیرِ افغانستان سے ایسے تمام اقتباس پیش ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح علامہ اقبال کا ذکر ملتا ہے۔

"...... ڈاکٹر سر اقبال کا نوازش نامہ آیا کہ حکومتِ افغانستان نے مجھے اور سر راس مسعود اور آپ کو اپنے ہاں کے بعض علمی و تعلیمی مسائل میں مشورہ کی غرض سے بلانا چاہا ہے۔ کیا آپ چلنے کو تیار ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ اس ملک کی جو خدمت مجھ سے بن آئے میں اس کے لیے تیار ہوں......"

(سیرِ افغانستان صفحہ ۱۰)

---

[1] مجوزہ افغان یونیورسٹی کے متعلق بیان حرفِ اقبال صفحہ ۲۳۰

[2] یہ بیان اتفاقِ رائے سے دیا گیا۔ حرفِ اقبال صفحہ ۲۳۱

.... سردار ہاشم نے دریافت کیا کہ گانا سننے میں کوئی حرج نہیں، میں نے کہا بلاساز کے کوئی مضائقہ نہیں ۔ وہ شاید ساز کا لفظ نہ سمجھے فرمایا " ہمارے ہاں رنڈی منڈی نہیں ہوتی مرد گاتے ہیں" ڈاکٹر اقبال نے تائید کی ۔

.... ہم غلام ملک کے رہنے والوں کے لیے شاہ گدا کی یکساں نماز کا نظارہ نہایت مؤثر تھا ۔ ڈاکٹر اقبال فرمانے لگے کہ آج میں سمجھا کہ دار الحرب میں جمعہ کی نماز کیوں نہیں؟ میں نے عرض کی ڈاکٹر صاحب نے اسلام کے نظریہ کے طور پر جو فرمایا تھا ۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

آج آپ نے عملاً اس کی تصویر دیکھی ۔ اگر غزنین کا بڑا مرقع نہیں دیکھا تو کابل کا چھوٹا مرقع دیکھ لیا ۔ فرمایا ہاں دیکھ لیا ۔

(سیرِ افغانستان صفحہ ۳۹-۳۸)

انجمن ادبی کی اعزازی دعوتِ شب

انجمن کے رئیس نے تقریر کی ۔ پھر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی صاحب نے کی اور آخر میں ڈاکٹر اقبال نے کی ۔ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ "میرے بعد ڈاکٹر اقبال کھڑے ہوئے اور اپنے فلسفیانہ انداز میں حسبِ ذیل تقریر ارشاد کی جو اس موقع پر بہت پُر اثر ثابت ہوئی ۔

(سیرِ افغانستان صفحہ ۸۱)

حکیم سنائیؒ کا مزار

حکیم و شاعر اقبال کو حکیم شاعر سنائی کے مزار دیکھنے کا سب سے زیادہ اشتیاق تھا ۔ مہمان خانہ سے نکل کر پیادہ ہم حکیم موصوف کے مزار کی طرف چلے ......

حکیم سنائی کی جلالتِ شان سے کون واقف نہیں۔ ہم سب اس منظر سے متاثر تھے مگر ہم میں سب سے زیادہ اثر ڈاکٹر اقبال پر تھا۔ وہ حکیم ممدوح کے سرہانے کھڑے ہو کر بے اختیار ہو گئے اور دیر تک زور زور سے روتے رہے۔

(سیرِ افغانستان صفحہ ۱۲۸ - ۱۲۹)

عجیب اتفاق کہ راستہ تو یہ خطرناک درپیش تھا اور ڈاکٹر اقبال صاحب نے روحانیات کے ذاتی مشاہدات و تجارب اور ایک سچے پیر کی تلاش پر گفتگو شروع کر دی۔ گفتگو طرفین سے نہایت دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ اس عہد کے مختلف شیوخ اور بزرگانِ سلاسل کا تذکرہ رہا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے آغازِ زندگی اور طالب علمانہ عہد کا ذکر چھیڑا۔ پھر اپنے والدِ مرحوم کا تذکرہ کیا کہ وہ خود ایک صاحبِ دل صوفی تھے۔ اور دیندار علماء کی صحبت میں رہتے تھے۔ اس ضمن میں یہ معلوم ہوا کہ ہمارے جلیل القدر اسلامی شاعر کے حیاتِ خفتہ کے تاروں میں جس مضراب نے حرکت پیدا کی وہ خود اُن کے والدِ ماجد کی ذاتِ بابرکات تھی۔ اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر صاحب نے اپنی طالب علمی کے عہد کے ایک قصہ کے اثنا میں اپنے والد مرحوم کا ایک فقرہ سنایا جس نے میرے دل پر بے حد اثر کیا۔ فرمایا کہ اپنے وطن سیالکوٹ میں صبح کی نماز کے بعد قرآنِ پاک کی تلاوت کیا کرتا تھا۔ ایک صبح کو نماز کے بعد حسبِ دستور میں تلاوت میں مصروف تھا کہ والد مرحوم اِدھر آئے۔ اور دریافت کیا کہ کیا کرتے ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں اس وقت تلاوت کرتا ہوں فرمایا جب تک تم یہ نہ سمجھ کہ قرآن تمہارے قلب پر بھی اُسی طرح اُترا ہے جس طرح محمد رسول اللہ صلعم کے قلبِ اقدس پر نازل ہُوا تھا تو تلاوت کا مزہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ فرمایا کہ جب بی اے پاس کر لو گے تو بتاؤں گا۔ کچھ دنوں کے بعد جب اُنہوں نے بی اے پاس کر لیا اس خوشخبری کے معاوضہ میں اُس دن کی گفتگو کا حوالہ دے کر اس مقام کے حصول کی تدبیر پوچھی۔ مرحوم نے

اُن کو کچھ طریقے اور دعائیں تلقین کیں اور نوجوان بیٹے سے عہد لیا کہ وہ ہمیشہ اپنی زبان و قلم سے ملتِ محمدی کی خدمت بجالاتا رہے گا۔

ڈاکٹر صاحب کی شاعری اُن کے والد مرحوم کی زندگی ہی میں پورا فروغ پا چکی تھی اور ایک عالم اُن کے نغمہ سے سرشار و مست تھا۔ اور مسلمانوں میں وہ قیامت انگیز تاثر پیدا کر رہا تھا۔ اور بالآخر باپ اپنے بیٹے کی اس عیسیٰ نفسی سے مسرور ہو کر اس دنیا سے سدھارا۔

(سیرِ افغانستان صفحہ ۱۸۰-۷۹-۱۷۸)

مسافر از ڈاکٹر اقبال

کیا عجیب اتفاق ہے آج ۷ / اکتوبر ۱۹۳۴ء کو جب اس داستانِ سفر کی آخری سطر سے میں نے فراغت پائی ہے ڈاک کے قاصد نے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی تالیف "مسافر" ہاتھ میں دی۔ یہ افغانستان کی چند روزہ سیاحت پر موصوف کے شاعرانہ جذبات کا مجموعہ ہے جو ابھی شائع ہوا ہے۔ فارسی زبان میں خیبر و سرد و کابل و غزنین و قندھار کے عبرت انگیز مناظر و مقابر پر شاعر کے آنسو ہیں۔ اور بابر سلطان محمود، حکیم سنائی اور احمد شاہ درانی کی خاموش تُربتوں کی زبانِ حال سے سوال و جواب ہیں۔ مسافر کا آغاز نادر شاہ شہید کے مناقب سے اور اختتام شاہ محمد ظاہر خان سے اظہارِ توقعات پر ہے۔

(سیرِ افغانستان صفحہ ۲۰۳ - ۲۰۲)

مضامین:

ڈاکٹر اقبال کا علمِ کلام

—— سید سلیمان ندوی ——

علمِ کلام اُس علم کا نام ہے جس میں اسلامی عقائد کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا جاتا ہے۔ لیکن ایران میں جب شاعری نے بہت زیادہ ترقی کی تو وہ صرف اپنے ہی دائرے یعنی جذبات ہی میں محدود نہیں رہی بلکہ فلسفہ، اخلاق، تصوف اور شریعت کے بہت سے مسائل بھی اُس میں داخل ہو گئے، اور ایرانی شعراء نے ان مسائل کو عقلی دلائل کے بجائے خطابی اور شاعرانہ دلائل سے اِس خوبی کے ساتھ ثابت کیا کہ اُن کا طرزِ بیان ہمارے قدیم علمِ کلام کے عقلی دلائل سے زیادہ مؤثر اور دل نشین ثابت ہوا۔ حکیم سنائی، سحابی، صائب، عرفی اور بہت سے صوفی شعراء کے کلام میں اس قسم کے حقائق و مسائل نہایت کثرت سے ملتے ہیں، بالخصوص مولانا روم نے اپنی مثنوی میں اخلاق و تصوف کے ساتھ تقریباً

علمِ کلام کے تمام اہم مسائل کو نہایت دلآویز طریقہ پر بیان کیا ہے ۔

اُردو شاعری کی بنیاد اگرچہ فارسی شاعری کی سطح پر رکھی گئی۔ لیکن افسوس ہے کہ ہمارے شعراء نے فارسی شاعری کی نقل نہایت نامکمل طور پر کی اور علمِ کلام اور فلسفہ کے اُن مسائل کو بہت کم ہاتھ لگایا جو ایران کے صُوفی شعراء کے کلام میں بہ کثرت موجود تھے، اُردو زبان کے شعراء میں اکبر کو چھوڑ کر صرف ڈاں ایک ایسے شخص ہیں، جنہوں نے غزل و قصائد کے تنگ و تاریک کوچے سے نکل کر حقائق کے میدان میں قدم رکھا اور تصوّف، اخلاق، فلسفہ اور اسرارِ شریعت کے بکثرت مسائل کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا، چنانچہ اس قسم کے مسائل میں سے اس وقت ہم علم کلام کے چند مسائل کو لے کر یہ دکھلانا چاہتے ہیں کہ اُنہوں نے موجودہ دَور کے رجحان و مذاق کے مطابق ان مسائل کی تشریح کس خوبی کے ساتھ کی ہے ۔

قدیم زمانے میں جس طرح فلسفہ و سائنس کے مسائل عقلی دلائل سے ثابت کئے جاتے تھے، بعینہٖ اسی طرح ہمارے متکلمین نے اسلامی عقائد مثلاً وجود باری، توحید، نبوت اور حشر و نشر وغیرہ کا اثبات عقلی دلائل سے کیا، لیکن ان دلائل سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ توحید، نبوت اور رسالت وغیرہ کے عملی نتائج اس دنیا میں کیا ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام غزالی، اور امام رازی وغیرہ نے اس روش کو چھوڑ کر نظری و عملی نتائج سے نبوت اور رسالت کا اثبات کیا، ہمارے صوفی شعراء بالخصوص حکیم سنائی اور مولانا رومی نے شاعرانہ و خطابی دلائل سے ان مسائل کے طریقۂ اثبات کو زیادہ مؤثر، دلنشین اور قریب الفہم بنا دیا - اس لیے موجودہ دَور میں یہ طریقۂ اثبات کافی نہیں ہوسکتا - یہ زمانہ ایک نئے تمدّن و تہذیب کی ترقی کا زمانہ ہے، اور اس زمانہ میں کسی مسئلہ کی صرف نظری حیثیت پر نگاہ نہیں ڈالی جاتی بلکہ عملی حیثیت سے اُن کے نتائج و مظاہر پر نظر ڈالی جاتی ہے، اس زمانے میں سائنس کو جو مقبولیت حاصل ہے اُس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ وہ نہایت آسانی سے ہوا کو پانی اور پانی کو ہوا بنا دیتی ہے، بلکہ اُس کی وجہ یہ ہے، کہ آج کی دنیا کی تمام کل سائنس

ہی کی بدولت چل رہی ہے۔ ڈاکٹر اقبال کی شاعری نے اسی تمدن، اسی تہذیب، اور اسی فضا میں بال و پر کھولے ہیں، اس لیے انہوں نے اسلامی عقائد کا اثبات زیادہ تر ان کے عملی نتائج سے کیا ہے، اور خودی کا جو فلسفہ اُن کا مخصوص فلسفہ ہے، اُس سے اُنہوں نے اِن مسائل کی تشریح و اثبات میں بھی کام لیا ہے، اس لیے اُن کا طرز بیان قدیم علمائے کلام اور قدیم متکلم صوفی شعراء کے اندازِ بیان سے زیادہ اس زمانے کے رُجحان و مذاق کے مطابق ہے، اور ہم اسی رُجحان و مذاق کے مطابق اُن کے علمِ کلام پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔

توحیدِ باری

نظری حیثیت سے توحیدِ باری کا مفہوم اس سے زیادہ نہیں کہ صرف ایک خدا کے وجود پر اعتقاد رکھا جائے، لیکن عملی حیثیت سے جب تک توحید کے ماننے والوں میں عملی اتحاد نہ ہو محض یہ اعتقاد ناکافی ہے، اور اس سے کوئی متحدہ تہذیب، متحدہ تمدن، متحدہ معاشرت اور متحدہ نظامِ اخلاق نہیں پیدا ہو سکتا، اگر تمام مسلمانوں کا طریقہ نماز متحد نہ ہو اور سب کے سب اپنا قبلہ الگ الگ بنالیں تو مسلمانوں میں یہ وحدت و یک رنگی نہیں پیدا ہو سکتی، جن یونانی حکماء نے وحدت الوجود کا مسئلہ ایجاد کیا تھا اُن کا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دُنیا متحد ہو جائے اور ہر قسم کے اختلافات مٹ جائیں، اسلامی توحید کا مقصد بھی اسی قسم کی یک رنگی کا پیدا کرنا تھا، لیکن زمانہ مابعد میں اگرچہ تمام اسلامی فرقے اجمالاً عقیدۂ توحید پر متفق رہے، تاہم فقہی اختلافات نے ان کے اعمال میں ناہمواری پیدا کر دی، اس لیے مسلمانوں میں وہ اتحادِ عمل باقی نہیں رہا جو دورِ صحابہ میں موجود تھا، اِس لیے اگر محض اتحادِ عمل کو توحید کا حقیقی مظہر قرار دیا جاوے تو صحابہ کی توحید موجود دور کے حنفیوں، شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں سے زیادہ مکمل و مستحکم ثابت ہوگی، ڈاکٹر اقبال نے توحید باری کی بنیاد اسی عملی اتحاد پر رکھی ہے،

اور یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے توحید پر جو غیر معمولی زور دیا ہے اُس کا مقصد مسلمانوں میں صرف اتحادِ عمل پیدا کرنا تھا، اگر آج مسلمانوں میں اتحادِ عمل نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اُن میں توحید یا کم از کم کامل توحید کے ماننے والے نہیں ہیں، اور اسی حیثیت سے اُنہوں نے توحید کے متعلق فقہا و متکلمین دونوں پر اعتراض کیا ہے :-

زندہ قوت بھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے ؟ فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس ضَو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو
خود مسلمان سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میرِ سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ توحید وحدتِ افکار اور وحدتِ کردار کے مجموعے کا نام ہے۔
مکی زندگی میں رسول اللہ صلعم نے توحید کی جو تعلیم دی اُس کا تعلق صرف وحدت افکار سے تھا، لیکن اس تعلیم نے جب ایک چھوٹی سی متحد الخیال جماعت پیدا کر دی تو آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور یہیں فرائض و احکام کے متعلق آیتیں نازل ہوئیں، اور وحدتِ کردار کا دور شروع ہُوا، اور اسی وحدتِ کردار سے مسلمانوں کی عملی زندگی شروع ہوئی، اور انہوں نے مشرکانِ عرب، نصاریٰ روم اور یہودیانِ خیبر کی طاقت کو پاش پاش کر کے اپنا ایک متحدہ نظامِ سلطنت قائم

کرلیا اور ایک زندہ قوم بن گئے، اس لئے ڈاکٹر اقبال کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے؟ فقط اک مسئلۂ علم کلام

اسلام کی یہ توحید درحقیقت ایک جذباتی چیز تھی اور دُنیا کی کل جذبات ہی سے چلتی ہے، لیکن متکلّمین و فقہا نے اس کو محض ایک عقلی چیز بنا دیا، اس لیے اس سے قدرتی طور پر انحطاط کا دور شروع ہو گیا، اسی نکتے کو ڈاکٹر اقبال نے پیامِ مشرق میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

ہمائے علم تا افتد بدامت — یقیں کم کُن، گرفتارِ شکے باش
عمل خواہی یقیں را پختہ تر کُن — یکے جوئے و یکے بین و یکے باش

خدا کسی جہت میں نہیں

علم کلام کا یہ ایک متداول مسئلہ ہے، اور معتزلہ و اشاعرہ دونوں اس پر متفق ہیں کہ خداوند تعالیٰ چونکہ مادی کثافتوں سے پاک ہے، اس لیے ذو جہت اور ذو اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اس کا نہ کوئی حیز ہے نہ مکان بلکہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالکل آزاد ہے، لیکن علمِ کلام میں یہ مسئلہ بالکل نہیں ہوتا، لیکن ڈاکٹر اقبال نے اس خشک مسئلہ کو اپنے شاعرانہ زورِ بیان سے ایک نہایت پُرجوش عملی مسئلہ بنا دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں جو کچھ ہے وہ تو انسان کے زورِ بازو کا نتیجہ ہے، اس لیے جس طاقت نے انسان جیسی پُرزور طاقت پیدا کی ہے، اُس کا مرتبہ تو اس سے کہیں بالاتر ہوگا: ؎

ایں جہاں چیست؟ صنم خانۂ پندارِ من است
جلوۂ او گروِ دیدۂ بیدارِ من است

ہمہ آفاق کہ گیرم بہ نگاہے اورا
حلقۂ ہست کہ از گردشِ پرکارِ من است

ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکاں شوخیٔ افکارِ من است

از فسوں کاریٔ دل، سیر و سکوں، غیب و حضور
ایں کہ غماز و کشائندۂ اسرارِ من است

آں جہانے کہ درو کاشتہ را مے دروند
نور و نارش ہمہ از سبحہ و زنارِ من است

سازِ تقدیرم و صد نغمۂ پنہاں دارم
ہر کجا زخمۂ اندیشہ رسد تارِ من است

اے من از فیضِ تو پائندہ، نشانِ تو کجاست؟
ایں دو گیتی اثرِ ماست، جہانِ تو کجا است؟

عدم رویت باری

شاعر رویتِ باری کے قائل اور معتزلہ اُس کے منکر ہیں، لیکن دونوں کا طرزِ استدلال بالکل عقلی ہے جس سے جذبہ اور قوّت عمل کو کوئی تحریک نہیں ہوتی، ڈاکٹر اقبال نے اس مسئلے میں معتزلہ کا عقیدہ اختیار کیا ہے، لیکن یہاں بھی اُنہوں نے انسان کے شرف اور اُس کی قوّتِ عمل کے مظاہر کو نظر انداز نہیں کیا ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ دُنیا کے سپید و سیاہ، دریا و کوہ، دشت و در اور مہر و ماہ سب انسان نے پیدا کئے ہیں یا یہ کہ وہ انسان کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، اس لیے وہ انہی چیزوں کا گرویدہ و شیدائی ہے لیکن بلند ہمتی کا اقتضا و یہ

ہے کہ نگاہ کو اس سے بھی زیادہ بلند کیا جائے اور اُس ذات کی تلاش کی جائے جو نگاہ کی گرفت ہی میں نہیں آ سکتی ؂

نورِ تو وانمود سپید و سیاہ را | دریا و کوہ، دشت و در و مہر و ماہ را
تو در ہوائے آنکہ نگہ آشنائے اوست | من در تلاشِ آں کہ نتابد نگاہ را

نبوّت

علم کلام میں نبوّت کا اثبات عام طور پر معجزات کے ذریعہ سے کیا گیا ہے، لیکن چونکہ عقلی حیثیت سے یہ طریقہ شکوک و شبہات سے خالی نہ تھا، اس لیے امام غزالی، امام رازی اور مولانا روم وغیرہ نے پیغمبروں کی تعلیمات اور اُن تعلیمات کے بہترین نتائج یعنی تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق وغیرہ کے ذریعے سے اس کا اثبات کیا، لیکن ڈاکٹر اقبال نے نبوت کے اثبات کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ ان سب سے الگ اور موجودہ دَور کے ذوق و رُجحان کے بالکل مطابق ہے، نبوّت کے اثبات کا جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے اُس کی بنیاد یہ ہے کہ نبوّت ایک غیر معمولی چیز ہے اس لیے اُس کی وجہِ ثبوت کو بھی غیر معمولی ہونا چاہیے، اور معجزہ چونکہ ایک مافوق الفطرت اور غیر معمولی چیز ہے، اس لیے اشاعرہ نے اسی کو نبوّت کی دلیل قرار دیا۔ لیکن اس دلیل پر جب بہت سے عقلی اعتراضات ہوئے تو امام غزالی وغیرہ نے پیغمبروں کی تعلیمات اور اُن کے نتائج کو نبوت کا معجزہ قرار دیا کیونکہ جادوگروں اور شعبدہ بازوں سے بھی اگرچہ بہت سے غیر معمولی اور مافوق الفطرت واقعات سرزد ہو سکتے ہیں، لیکن جہاں تک تجربہ کا تعلق ہے وہ خود نہ پیغمبروں کی طرح پاکیزہ اخلاق ہو سکتے ہیں، نہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی اور عملی تعلیم دے سکتے ہیں لیکن ڈاکٹر اقبال کے نزدیک ایک قوم کا پیدا کرنا نبوّت کا سب سے بڑا معجزہ ہے، بالخصوص اس زمانے کے قومی ہنگامہ رستخیز میں نبوت کے ثبوت میں اسی معجزہ کو پیش کیا جا سکتا ہے، ساحروں اور شعبدہ بازوں

سے اگرچہ بہت سے حیرت انگیز واقعات سرزد ہو سکتے ہیں، لیکن آج تک کسی ساحر اور شعبدہ باز نے کسی زندہ قوم کو نہیں پیدا کیا، فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے معجزات کا مقابلہ تو ضرور کیا لیکن وہ یہودیوں جیسی قوم نہ پیدا کر سکے ۔

گفتم از پیغمبری ہم باز گوے | سرِّ او با مردِ محرم باز گوے
گفت اقوام و ملل آیات اوست | عصر ہائے ماز مخلوقات اوست
از دم او ناطق آمد سنگ و خشت | ما ہمہ مانندِ حاصل او چو کشت
ہاے و ہوئے اندرونِ کائنات | از لب او نجم و نور و نازعات

کہتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ صلعم کا مقصد ایک ایسی عالمگیر ملّت کا پیدا کرنا تھا جو وطنیت کی قوم سے آزاد ہو، اس لیے آپ نے مکّہ سے نکل کر مدینہ میں اسی قسم کی قوم پیدا کی اور وطنیت کا خاتمہ کر دیا۔ ۔

جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست | بادۂ تندش بجامے بستہ نیست
ہندی و چینی سفالِ جامِ ماست | رومی و شامی گِلِ اندامِ ماست
قلبِ ما از ہند و روم و شام نیست | مرز و بومِ او بجز اسلام نیست
عقدۂ قومیتِ مسلم کشود | از وطن آقائے ما ہجرت نمود
حکمتش یک ملّتِ گیتی نورد | بر اساس کلمۂ تعمیر کرد
پس چرا از مسکنِ آبا گریخت؟ | تو گماں داری کہ از اعدا گریخت؟
قصہ گویاں حق ز ما پوشیدہ اند | معنئ ہجرت غلط فہمیدہ اند
ہجرت آئینِ حیاتِ مسلم است | این ز اسبابِ ثباتِ مسلم است
معنئ او از تنک آبی رم است | ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است
بگذر از گُل گلستان مقصودِ تست | این زیاں پیرایہ بندِ سُودِ تست

معراج

معراج کے جسمانی اور روحانی ہونے کی بحث نہایت فرسودہ پامال ہے، اور ڈاکٹر اقبال اس فرسودہ و پامال بحث میں پڑنا نہیں چاہتے، تاہم اُن کے نزدیک دُنیا کے تمام واقعات صرف مادّی علل و اسباب کے پابند نہیں ہیں، بلکہ روحانی طاقت بھی بہت سے واقعات کا سبب بن سکتی ہے، اور معراج خواہ جسمانی ہو یا روحانی لیکن وُہ بہر حال ایک روحانی طاقت کا نتیجہ تھی، اس لیے بذاتِ خود وہ ایک روحانی چیز تھی اور جسمانی حالت میں بھی روحانی طاقت اُس کی محرک تھی۔ ؎

دے ولولۂ شوق جسے لذّتِ پرواز　　کر سکتا ہے وہ ذرہ مہ و مہر کو تاراج
مشکل نہیں یارانِ چمن معرکۂ باز　　پُرسوز اگر ہو نفس سینۂ دراج
ناوک ہے مسلماں، ہدف اس کا ہے ثریا　　ہے سرِّ سراپردۂ جاں نکتۂ معراج
تو معنیٔ "والنجم" نہ سمجھا تو عجب کیا　　ہے تیرا مدد جزر ابھی چاند کا محتاج

علم کلام میں یہ ایک خشک اور بے اثر مسئلہ تھا، لیکن ڈاکٹر اقبال نے اس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو روحانی طاقت کی نشوونما اور بلند ہمتی کا سبق دیا ہے۔

وحی والہام

ڈاکٹر اقبال کے نزدیک بُرے بھلے کی تمیز صرف عقل سے نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کے لیے وحی والہام کی ضرورت ہے، لیکن جس طرح انسان قوتِ ذائقہ سے لذیذ و غیر لذیذ کھانے کا اور قوّتِ لامسہ کے ذریعہ سے نرم و سخت جسم کا احساس کر سکتا ہے بعینہٖ اسی طرح انسان کے اندر ایک قوت ہے جو اچھے اور بُرے کاموں کی تمیز کر سکتی ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اور قوتیں صرف مادیات سے تعلق رکھتی ہیں، اور یہ قوّت روحانیات سے تعلق رکھتی ہے، لیکن بہرحال

زندگی کی نشو و نما کے لیے یہ قوت خود زندگی ہی کے اندر موجود ہے۔ ؎

عقل بے مایہ امامت کی سزاوار نہیں — راہبر ہو ظن و تخمیں تو زبوں کارِ حیات

فکر بے نور ترا، جذب عمل بے بنیاد — سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شبِ تارِ حیات

خوب و ناخوب عمل کی ہو گرہ وا کیونکر — گر حیات آپ نہ ہو شارحِ اسرارِ حیات

جس طرح ذوقی چیزوں کی تمیز میں عقل بالکل بیکار ہو جاتی ہے، صاف و شفاف پانی کو دیکھ کر صرف عقل یہ فیصلہ نہیں کر سکتی کہ وہ شور ہے یا شیریں؟ اس کا فیصلہ صرف ذوق کر سکتا ہے، اسی طرح بہت سے افعال کے حُسن و قبح کا فیصلہ بھی عقل نہیں کر سکتی، بلکہ خود زندگی ہی یہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ کون سے افعال زندگی کے لیے موزوں ہیں اور کون سے غیر موزوں؟ اسی ذوقی احساس کا نام وحی یا الہام ہے، باقی رہا وحی و الہام کی حالت میں آواز کا آنا، فرشتے کی شکل کا نظر آنا، ڈاکٹر اقبال اس کے نہ منکر ہیں نہ مقر، ممکن ہے کہ جس طرح بھوک، پیاس اور دوسرے جسمانی احساسات میں بھی انسان پر خاص خاص حالات طاری ہوتے ہیں، اسی طرح رُوحانی، احساسات میں بھی انسان پر مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہوں۔

مسئلہ خیر و شر

مذہب و اخلاق، وحی و الہام، امر و نہی اور عذاب و ثواب سب کی بنیاد اس پر قائم ہے کہ دنیا میں برائیاں اور بھلائیاں دونوں موجود ہیں، اگر یہ دونوں چیزیں موجود نہ ہوتیں تو مذہب و اخلاق کی کوئی ضرورت نہ ہوتی، خیر و شر کی یہ آمیزش سب سے زیادہ انسانی فطرت میں پائی جاتی ہے، اسی لیے وہ مذہب کا اصلی مخاطب اور مکلّف ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ خدا نے انسان کی فطرت ہی ایسی کیوں بنائی جس سے بُرائی سرزد ہو، کیا یہ ممکن نہ تھا کہ انسان فطرۃً ایسا بنایا جاتا جس سے بُرائی سرزد ہی نہ ہوتی؟ متکلمین نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ انسان کی اصل فطرت میں اگرچہ برائی کا مادہ بھی موجود ہے تاہم اُس میں نیکی کا مادہ زیادہ پایا جاتا ہے، اور انصاف و حکمت کا اقتضا یہی ہے،

لیکن ڈاکٹر اقبال کے نزدیک نیکی و بدی دونوں میں توازن پایا جاتا ہے اور انسان میں دونوں کی مقدار برابر موجود ہے، اور دُنیا کی رونق دُنیا کا ہنگامہ اور دنیا کی شان و شوکت اِسی سے قائم ہیں، چنانچہ انہوں نے خدا اور انسان کے درمیان ایک مکالمہ لکھا ہے جس میں خدا نے انسان پر صرف بُرائی کا الزام لگایا ہے ؎

جہاں را زیک آب و گل آفریدم　　تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم　　تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی
تبر آفریدی نہالِ چمن را
قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

لیکن انسان نے اس کے جواب میں ان بُرائیوں کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ ان کے مقابل میں اپنی بھلائیاں گنائی ہیں ؎

تو شب آفریدی، چراغ آفریدم　　سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدم　　خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم
من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

اُنہوں نے زبورِ عجم میں اس توازن کو اور بھی زیادہ نمایاں کیا ہے ؎

دلِ بے قیدِ من با نورِ ایمان کافری کردہ
حرم را سجدہ آوردہ بتاں را چاکری کردہ
متاعِ طاعتِ خود را ترازوئے برافرازد
ببازارِ قیامت با خدا سوداگری کردہ
زمین و آسماں را بر مرادِ خویش میخواہد
غبارِ راہ و با تقدیرِ یزداں داوری کردہ

گہے با حق در آمیزد، گہے با حق در آویزد
زمانے حیدری کردہ، زمانے خیبری کردہ

لیکن اسی کے ساتھ اس سے انسان کے شرف کو کوئی صدمہ نہیں پہنچتا ؎

بایں بیرنگیٔ جوہر از و نیرنگ میریزد
کلیمے بیں کہ ہم پیغمبری ہم ساحری کرد"

کیونکہ باوجود خیر وشر کے اس مساویانہ امتزاج کے خیر کے نتائج زیادہ واضح و نمایاں ہوتے ہیں، انسان میں پیغمبرانہ اور ساحرانہ قوتیں اگرچہ مساوی مقدار میں ہیں، لیکن پیغمبرانہ طاقت کے جو نتائج ہیں اُن کے ساحرانہ طاقت کے نتائج بالکل ہیچ ہیں یا کم از کم یہ کہ قوتِ شر سے جو نتائج بد پیدا ہوتے ہیں انسان قوتِ خیر سے اُن کی تلافی کر دیتا ہے: ؎

نگاہش عقل دور اندیش را ذوق جنوں دادہ
ولیکن با جنونِ فتنہ ساماں نشتری کردہ

قرآن مجید سے بھی خیر وشر کا یہی توازن ثابت ہوتا ہے، فرشتوں نے حضرت آدم کی خلافت پر صرف قوتِ شر کی وجہ سے اعتراض کیا تھا:۔

قالوا اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء	(تو فرشتے) بولے کیا تو زمین میں ایسے شخص کو نائب بناتا ہے۔ جو اُس میں فساد پھیلائے اور خونریزیاں کرے۔

لیکن خدا نے نہ اس قوت کا انکار کیا اور نہ یہ بتایا کہ انسان میں قوتِ خیر قوتِ شر پر غالب ہے بلکہ اس کے مقابل میں صرف اُس کی بھلائی کا پہلو رکھ دیا۔

وعلّم ادم الاسماء کلّھا ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماءِ ھٰؤلاءِ	اور آدم کو سب (چیزوں کے) نام بتا دیئے۔ پھر اُن چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو تو ہم کو (ان

ان کنتم صٰدقین ؀ چیزوں کے) نام بتاؤ۔

مسئلہ تقدیر

اسلام میں مسئلہ تقدیر نے دو قسم کی عملی گمراہیاں پیدا کر دی تھیں، کچھ لوگ تو تمام اعمال و عبادات کو اس لیے چھوڑ بیٹھے تھے کہ دوزخ و جنّت جو بھی تقدیر میں لکھی جا چکی ہے وہ تو لازمی طور پر ملے گی اس لیے اعمال و عبادات سے کیا فائدہ؟ لیکن ڈاکٹر اقبال نے بتایا کہ یہ خیال انسان کے عملی شرف کو کھو دیتا ہے، اور اُس کو نباتات و جمادات کی صف میں کھڑا کر دیتا ہے ؀

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
اک آن میں سَو بار بدل جاتی ہے تقدیر
ہے اس کا مقلّد ابھی ناخوش، ابھی خورسند
تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

کچھ لوگ ہر قسم کے رندانہ اور اوباشانہ افعال کرتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ مشیتِ ایزدی نے ہم کو ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے، خواجہ حافظ کے فلسفہ لذت پرستی کی بنیاد اسی تخیّل پر ہے ؀

مرا روزِ ازل کارے بجز رندی نفرمودند
ہر آں قسمت کہ آں باشد کم و افزوں نخواہد شد

برو اے ناصح و بر دُرد کشاں خردہ مگیر
کار فرمائے قدر میکند ایں من چہ کنم

لیکن ڈاکٹر اقبال نے ایک مکالمے میں جو خدا اور ابلیس کے درمیان ہوا ہے اس خیال کی غلطی ثابت کی ہے، ابلیس کہتا ہے ؀

اے خدائے کن فکاں مجھ کو نہ تھا آدم سے بیر
آہ وہ زندانیٔ نزدیک و دور و دیر و زود

حرف استکبار تیرے سامنے ممکن نہ تھا
ہاں مگر تیری مشیّت میں نہ تھا میرا سجود

اس کے بعد خدا نے فرشتوں کی طرف مخاطب ہو کر اس خیال کی غلطی ثابت کی ؎

پستیٔ فطرت نے سکھلائی ہے یہ حجت اسے
کہتا ہے تیری مشیت میں نہ تھا میرا سجود
دے رہا ہے اپنی آزادی کو مجبوری کا نام
ظالم اپنے شعلۂ سوزاں کو خود کہتا ہے دُود

غرض اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن پر ڈاکٹر اقبال نے شاعرانہ انداز میں بحث کی ہے اور اگر اُن سب کو جمع کیا جائے تو ایک نیا علم کلام مرتب ہو سکتا ہے، بالخصوص رموزِ بے خودی میں انہوں نے خاص طور پر اسی قسم کے مسائل کی تشریح کی ہے مثلاً سب سے پہلے اُنھوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ جب تک تمام افراد باہم منظم و مدغم ہو کر ایک متحدہ قومیت کی شکل نہ اختیار کر لیں اُس وقت تک فرد و قوم دونوں کا نظام ابتر رہے گا ؎

فرد می گیرد ز ملت احترام　　ملّت از افراد مے یابد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود　　قطرۂ وسعت طلب قلزم شود
لفظ چوں از بیت خود بیروں نشست　　گوہر مضمون بجیب خود شکست
برگِ سبزے کز نہال خویش ریخت　　از بہاراں تار امیدش گسیخت

اور پیغمبروں کا کام اسی رشتۂ اتحاد کا مستحکم کرنا ہے، اگرچہ قدرتی اور تمدنی ضروریات کی بنا پر ایک نامکمل قومیت کا وجود ہمیشہ سے رہا ہے، تاہم جب تک کسی پیغمبر نے قومیت کے اس نظام کو مستحکم نہیں کیا اُس وقت تک قومیت کے اصلی جوہر ظاہر نہیں ہوئے، اس قسم کی قومیت کو ایک قافلے سے تشبیہ دے سکتے ہیں، جس کے افراد میں باہم اتحاد تو ہو جاتا ہے، لیکن اس

استحاد کو مکمل نہیں کہہ سکتے ؎

خیمہ گاہ کاروان کوہ و جبل | مرغزار و دامن و صحرا و تل
سست و بیجان تار و پود کارِ او | ناکشودہ غنچۂ پندارِ او
نو دمیدہ سبزۂ خاکش ہنوز | سرد خون اندر رگِ تاکش ہنوز

پیغمبروں کی بعثت سے پہلے فرد و قوم میں اسی قسم کا ناقص ارتباط ہوتا ہے، لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہو جاتا ہے تو اس ناقص ارتباط کو مکمل کر دیتا ہے اور یہیں سے قومی ترقی کا دور شروع ہوتا ہے ؎

تا خدا صاحبدلے پیدا کند | کو ز حرفے دفترے انشا کند
رشتۂ اش کو بر فلک دارد سرے | پار ہائے زندگی را ہمگرے
گلستان در وشت و در پیدا کند | تازہ اندازِ نظر پیدا کند
از تفِ او ملتے مثلِ سپند | بر جہد شور افگن و ہنگامہ بند
یک شررے افگند اندر دلش | شعلۂ درگیر می گردد گلش

لیکن پیغمبر جس قومیت کو پیدا کرتے ہیں اُس کے چند بنیادی اصول ہوتے ہیں، جن میں سب سے مقدم چیز توحید ہے ؎

بندہا از پا کشاید بندہ را | از خداوندان رباید بندہ را
گویدش تو بندۂ دیگر نۂ | زیں بتانِ بے زباں کمتر نۂ
تا سوے یک مدعایش میکشد | حلقۂ آئیں بپائش میکشد

کیونکہ اس توحید سے اور تمام تفرقے مٹ جاتے ہیں، اور قومیت کا پرکار صرف ایک نقطے پر گردش کرنے لگتا ہے ؎

اسود از توحید احمر مے شود | خویشِ فاروقؓ و ابوذر مے شود
دل مقامِ خویشی و بیگانگی است | شوق را مستی ز ہم پیمانگی است

ملت از یک رنگیِ دلہا ستے　　روشن از یک جلوہ این سینا ستے
با وطن وابستہ تقدیرِ اُمم　　بر نسب بنیاد تعمیرِ اُمم
اصلِ ملت در وطن دیدن کہ چہ　　باد و آب و گل پرستیدن کہ چہ

اسی قسم کے اور بھی بہت سے مباحث اس مختصر سی مثنوی میں موجود ہیں جن پر متعدد مضامین لکھے جا سکتے ہیں۔

○

ضمیمہ

حیاتِ سلیمان ایک نظر میں

۱۸۸۴	پیدائش دیسنہ ضلع پٹنہ (۲۲ر نومبر)
۱۸۹۹	پھلواری شریف (پٹنہ) میں مولانا محی الدین سے کچھ کتابیں پڑھیں۔
۱۹۰۰	مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں درسِ نظامیہ کی کتابوں کی تکمیل کی۔
۱۹۰۱	دارالعلوم ندوہ میں داخل ہوئے
۱۹۰۷	تعلیم سے فارغ ہوئے۔ الندوہ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔
۱۹۰۸	ندوہ میں علم کلام اور جدید عربی ادب کے اُستاد مقرر ہوئے۔
۱۹۱۰ تا ۱۹۱۲	عربی کے جدید الفاظ کی ڈکشنری تیار کی۔
۱۹۱۳	الہلال کے ادارتی عملے میں شمولیت اختیار کی۔
	دکن کالج پونہ میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر ہوئے۔

۱۹۱۵ دار المصنفین کی بنیاد ڈالی ۔

ارض القرآن کی پہلی جلد کی اشاعت ہوئی۔

۱۹۱۶ معارف کا اجراء کیا ۔

۱۹۱۸ شبلی کی سیرت النبی جلد اول مرتب کی ۔

ارض القرآن کی دوسری جلد شائع ہوئی ۔

۱۹۲۰ وفدِ خلافت کے ساتھ یورپ گئے ۔

سیرت النبی جلد دوم شائع ہوئی ۔

سیرتِ عائشہ طبع ہوئی ۔

۱۹۲۴ سیرۃ النبی جلد سوم شائع ہوئی ۔

حجاز کے وفد میں شامل ہوئے ۔

۱۹۲۵ مسلم ایجوکیشنل ایسوسی ایشن آف سودرن انڈیا مدارس کی دعوت پر سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ خطبے دیئے ۔

۱۹۲۶ موتمرِ حجازیہ اسلامیہ کے اجلاس کی قیادت کی ۔

۱۹۲۹ ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد میں عرب و ہند کے تعلقات پر لیکچر دیئے ۔

۱۹۳۱ عربوں کی جہازرانی پر بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم کی سرپرستی میں چار خطبے دیئے ۔

۱۹۳۲ سیرۃ النبی کی چوتھی جلد شائع ہوئی ۔

۱۹۳۳ عمر خیام شائع ہوئی ۔

علامہ اقبال اور سر راس مسعود کے ساتھ افغانستان کے وفد میں شامل ہوئے ۔

۱۹۳۵ سیرۃ النبی جلد پنجم شائع ہوئی

۱۹۳۹	سیرۃ النبی کی چھٹی جلد شائع ہوئی ۔
	نقوشِ سلیمانی کی اشاعت ہوئی ۔
۱۹۴۰	سیرت رحمتِ عالم کے نام سے بچوں کے لیے کتاب لکھی ۔
۱۹۴۱	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی طرف سے ڈاکٹر آف لٹریچر کی اعزازی ڈگری ملی ۔
۱۹۴۲	مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت کی ۔
۱۹۴۳	حیاتِ شبلی شائع ہوئی ۔
۱۹۴۴	دینی ۔ مذہبی اور تعلیمی مشاغل میں مصروف رہے ۔
۱۹۴۵	سیرِ افغانستان شائع ہوئی ۔
۱۹۴۶	دینی ۔ مذہبی اور تعلیمی کاموں میں مصروفیت رہی ۔
۱۹۴۶ تا ۱۹۴۹	بھوپال میں عربی مدارس اور دار القضاۃ کی نگرانی کی ۔ خانۂ کعبہ کی زیارت کو روانہ ہوئے ۔
۱۹۵۰	پاکستان تشریف لائے (۱۴ / جون)
تا	(پاکستان میں تین سالہ قیام کے دوران)
۱۹۵۳	جمعیۃ العلماء اسلام کے صدر رہے، پنجاب یونیورسٹی کمیشن کے ممبر رہے ۔
	قائدِ اعظم کی یاد میں مجوزہ عربی دار العلوم کی کمیٹی کے رکن رہے ۔
	دستور ساز اسمبلی کے بنیادی حقوق کی سب کمیٹی کے ممبر رہے ۔
	پنجاب کے عربی مدارس کے ایک سالانہ اجلاس کی صدارت ۔
	کراچی یونیورسٹی کے سینٹ کے ممبر رہے ۔
	پاکستان ہسٹاریکل کانفرنس کی صدارت ۔
۱۹۵۳	انتقال کیا ۔ (۲۲ / نومبر)

اشاریہ "معارف"

مضامین:

اسد ملتانی	اقبال، انا اور تخلیق	جولائی ۱۹۴۵
اکرام الحق	فلسفۂ اقبال	جنوری ۱۹۲۹
بشیر	اقبال کے تصورِ خودی کے ماخذ	ستمبر ۱۹۴۵
ڈکسن	اسرارِ خودی	ستمبر ۱۹۲۱
سلیمان ندوی سید	رموزِ بے خودی	اپریل ۱۹۱۸
	علم المیشت	اپریل ۱۹۱۷
	خضرِ راہ	مئی ۱۹۲۲
شوکت سبزواری	فلسفہ اقبال کا مرکزی خیال	
	ـــــ وحدت و حرکت	فروری ۱۹۴۶
عبدالرزاق مولوی	کلیاتِ اقبال	جون ۱۹۲۶

عبدالرزاق مولوی	کلام اقبال کی دقتیں اور	مارچ ۱۹۴۴
	اُن کی تشریح کی ضرورت	اپریل ۱۹۴۴
	اقبال اور سیاسیات	مارچ ۱۹۴۶
		اپریل ۱۹۴۶
عبدالحمید خواجہ	اقبال کے چند جواہر ریزے	اگست ۱۹۳۸
	اقبال، انا اور تخلیق	ستمبر ۱۹۳۸
		نومبر ۱۹۴۴
		دسمبر ۱۹۴۴
عبدالسلام ندوی	اقبال اور برگساں	فروری ۱۹۴۱
		مارچ ۱۹۴۱
		اپریل ۱۹۴۱
	اقبال کا فلسفۂ خودی	اپریل ۱۹۴۷
		مئی ۱۹۴۷
		جون ۱۹۴۷
محمد بشیر الحق	ضربِ کلیم	اپریل ۱۹۳۷
	اصطلاحاتِ اقبال	اگست ۱۹۴۹
		ستمبر ۱۹۴۹
محمد عبدالسلام خان مولوی		اگست ۱۹۵۲
	اقبال کے اخلاقی تصورات	جنوری ۱۹۴۹
معین الدین احمد ندوی	کیا اقبال فرقہ پرست شاعر تھے	جنوری ۱۹۵۰
		فروری ۱۹۵۰

محمد محمود زمان رامپوری مولانا	ڈاکٹر اقبال کی اُردو	مئی ۱۹۲۸
میر ولی الدین ڈاکٹر	زمانہ حاضر کا انسان اور اقبال	جون ۱۹۴۵
	اقبال اور تصورِ فقر	جولائی ۱۹۴۸

شذرات:

سلیمان ندوی سید	جون ۱۹۲۳
	مئی ۱۹۳۸
	جولائی ۱۹۱۶
	اگست ۱۹۲۱

تبصرے:

ملتِ بیضا پر ایک عمرانی نظر	اپریل ۱۹۲۰
مقالاتِ یوم اقبال	اکتوبر ۱۹۳۹

تراجم:

اسرارِ خودی اور اقبال	اکتوبر ۱۹۲۱
ڈاکٹر اقبال کی اسرارِ خودی کا ترجمہ	مارچ ۱۹۲۱
کلامِ اقبال بلبلِ ہندوستان	مئی ۱۹۲۱

کتابیات

کتب

برید فرنگ	سید سلیمان ندوی	مکتبہ الشرق کراچی ۱۹۵۲ء
خیام	سید سلیمان ندوی	مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۲۳ء
سیر افغانستان	سید سلیمان ندوی	نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن ۱۹۴۵ء
مضامین سلیمان	مرتبہ ابوسلمہ شفیع احمد	مکتبہ علم وحکمت بہار شریف ۱۹۵۰ء
مکاتیب سلیمان	مرتبہ مسعود عالم ندوی	چراغ راہ لاہور ۱۹۵۴ء
مکتوبات سلیمانی	مرتبہ عبدالماجد دریابادی	صدق جدید بک ایجنسی لکھنؤ ۱۹۶۳ء
مقالات سلیمان	مرتبہ صباح الدین عبدالرحمٰن	دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۶۶ء
تذکرۂ سلیمان	غلام محمد بی اے عثمانیہ	ادارہ مجلس علمی کراچی ۱۹۶۰ء
نقوش سلیمانی	سید سلیمان ندوی	مکتبہ الشرق کراچی ۱۹۵۱ء
اقبال نامہ	مرتبہ عطاءاللہ	شیخ محمد اشرف لاہور ۱۹۵۱ء
حرف اقبال	مرتبہ لطیف احمد شیروانی	المنار اکادمی لاہور ۱۹۴۵ء

انوارِ اقبال	بشیر احمد ڈار	اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۷ء
مقالاتِ یوم اقبال	مرتبہ الطاف حسین شوکت	تاج کمپنی لیمٹڈ لاہور ۱۹۳۸ء
ادبی آئینے	ڈاکٹر سخی احمد ہاشمی	حیدر آباد سندھ
اقبال معاصرین کی نظر میں	سید وقارِ عظیم	مجلسِ ترقی ادب لاہور

مقالات

سید سلیمان ندوی	ذوالفقار حسین بخاری مقالہ برائے ایم اے پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۲ء
معارف (وضاحتی فہرست)	شمیم اختر عزیز
جولائی ۱۹۱۶ء تا ۱۹۶۶ء	فریدہ لطیف مقالات برائے ایم اے پنجاب یونیورسٹی ۱۹۶۶ء
	نسرین زہرا
	یاسمین اختر

رسائل

معارف (فائل) جولائی ۱۹۱۶ء تا ۱۹۵۵ء

معارف سلیمان نمبر مئی ۱۹۵۵ء

اقبال اپریل ۱۹۵۶ء

نقوش مکاتیب نمبر

نقوش آپ بیتی نمبر

نقوش شخصیات نمبر

فکر و نظر نومبر ۱۹۷۵ء